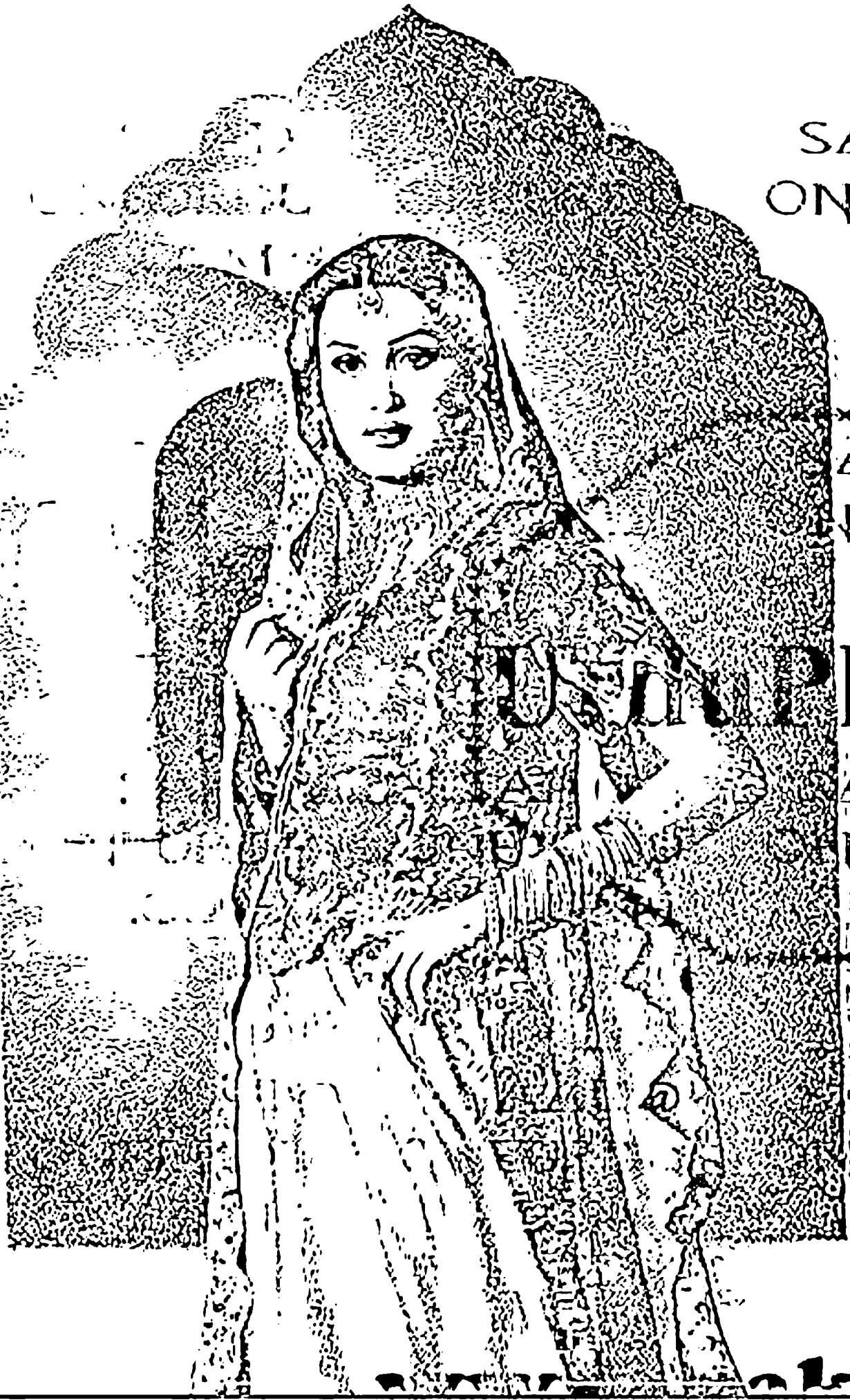


سینے کی دھڑکن کا شکار

SAAD :
ONE
.C



”قبیلہ الار بکما بکھڑن۔“ (تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو بھٹاؤ گے)
زمین خوش الحانی سے تلاوت کر رہی تھی۔ سفید دھڑپے کے ہالے میں اس کا پرکشش چہرہ اور بھی پیارا لگ رہا تھا۔ تلاوت کا مہیاک تودہ روزی کرتی تھی مگر رحل کو وہ آج جانے کیوں معمول سے ہٹ کر لگ رہی تھی نئی نئی اور پیاری سی۔ اس کا چہرہ کیسے دمک رہا تھا۔
نہمن نے تلاوت کرنے کے بعد قرآن ہزدان میں لپیٹا۔ رحل غافل بن گئی۔ اسے دیکھ رہی تھی وہ جینپ سی گئی۔ رحل کل ہی حویلی میں تھی۔ اس کے استخوان ہونے لگے تھے آج کل اس کی چھٹیاں تھیں۔ حویلی کی سپاہی ٹوٹ گئیں رحل پہ بہت رشک کرتی تھیں۔ کسی حوٹوں جیسی زندگی بھی اس کی کم از کم انہیں تو دیا ہوں جیسی ہی لگتی تھی۔ حویلی کی بلند دیواروں سے باہر کی فضا کیسی جیتی جاتی اور زندہ تھی۔ رحل اسی فضا میں ہی تو رہا ہے۔ روایات کی حدود سے باہر نکل کر زندگی کے چکر چلا رہی تھی۔

Photo

مکمل ناول



”کیا بات ہے اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی ہو؟“ وہ
تحت سے اتر کر اس کے قریب آگئی۔
”دیکھ رہی ہوں کہ آپ پہلے سے کتنی حسین ہو گئی
ہیں۔ آخر راز کیا ہے؟“ وہ اپنی نگاہیں ابھی تک زمین
پر جمائے ہوئے تھیں۔
”کیا راز ہونا ہے یہ تمہارا حسن نظر ہے کہ میں
تمہیں پہلے سے حسین نظر آ رہی ہوں۔“ وہ عام سے
انداز میں کہہ رہی تھی۔ رحل ہنس دی۔
”نہیں بتانا تو نہ بتائیں ویسے ایک بات کہوں میں
اگر لڑکا ہو تو بہت اس وقت آپ سے اظہار محبت
کرویتی۔“
زمین کا چہرہ اس کی بات پر تاریک سا ہو گیا اور رخ
موز کر کھڑی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ کتنی دیر بے ہمتی
سی خاموشی ملازی رہی تو رحل تنگ آ کر کہنے سے
نکل گئی۔
زمین فاروق کی لائی کی اگلی بیٹی تھی۔ رحل سے
پورے کیا دس سال بڑی وہ اس سال پورے تیس برس
کی ہوئی تھی مگر کہیں سے بھی کسی کی لگتی نہیں تھی۔
بغور خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ بہت سال پہلے
جب باشم کا انتقال ہوا تو تب ہی اسے قسمت کے ٹکے
کو قبول کر لیا تھا۔ اسے یہ تھا وہ سنا سن نہیں کھلا
تھی۔ اس کے ہاتھوں میں اب کبھی مسندی نہیں
رہے گی نہ وہ دھنک رٹوں کو چھو سکے گی باشم اس کا
مکیتیر تعلیم کی غرض سے کینیڈا جا رہا تھا اس کا جہاز
کریش ہو گیا تھا۔
تب سے زمین کے سر سے ست رنگی رویشہ اتار کر
سفید چادر اوڑھا دی گئی تھی، سرخ و سفید گلہیاں
چھٹائی رنگت نازک ہاتھ پاؤں، روشن آنکھیں۔ چلتی
تو جیسے پورے بدن میں بجلیاں کوندتی محسوس ہوتیں۔
اس آفتوں بھرے دل میں صحرائی کی کیفیت تھی۔
پر صحرائیں بھی تو اکاد کا پھول کھلے نظر آ ہی جاتے
ہیں اور مسافر کو لگتا ہے، نخلستان تھوڑے ہی فاصلے پر
ہے بس چند قدم اور آگے ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہو
گا۔

زمین کو بھی صحرائیں نخلستان کا پتہ مل گیا تھا۔
قد آدم آئینہ اس کے ایک ایک ڈبلوڈ کو واضح کر
کے دیکھا رہا تھا زمین کو آج کل ہر چیز کچھ کتنی محسوس
ہوتی تھی آئینہ بھی تو یہی کہہ رہا تھا ”زمین حیرتی پیاس
بجھنے والی ہے یہ بے موسم اب ختم ہونے کو ہے۔ یہ
زاتوں کے گھنے بادل کسی کے دل کو جکڑ لینے کے لیے
آجے ہیں ان آنکھوں میں بے خواب رتھجھکوں کے
عذاب اب نہیں اتریں گے۔ آنکھیں بند کیے وہ کسی
اور ہی جہان میں چلی ہوئی لگ رہی تھی۔ دروازے پر
آہٹ ہوئی تو چونک کر ہڑبالی اور فوراً ”بیٹے پڑا وہ نہ
الٹا کر پھرتی ہے اسے ارد گرد لیٹا۔
آنکھوں کی گہرائی میں زمین کی چھوٹی چھوٹی کی
آنکھیں سوچی سوچی بھاگ رہی تھیں۔ حویلی میں
رہنے والی چھوٹیوں کے دکھ ایک جیسے تھے۔ وہ کیسے نہ
واقف ہو گئی۔
پھر اور آہٹ گیلانی کی بیٹی عاصمہ کا رشتہ اٹھلے
جئے اپنے کزن کے ساتھ ملے ہو رہا تھا۔ عاصمہ
نفس پرست تھی اور سادہ دلی تھی۔
کر رہا تھا۔ عاصمہ کو صحرائی کی چھوٹی چھوٹی کا اعزاز
موصول ہو رہا تھا۔ عامر کی دوسری بیوی ابھی زمین با پہلے
ہی فوٹہ ہوئی تھی۔ پہلی تو برعکاس کی یاد اور جوانی کے
فلتے بکے بکے دل سے اتر گئی تھی۔ عامر گیلانی
کا رشتہ فوراً ”منظور کر لیا گیا تھا کیونکہ اس نے صاف
واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ”مجھے عاصمہ کی جائیداد اور
جسے سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔“ یہ جملہ اس نے زمین
تھی کہ نظر انداز کر دی جاتی۔
”آپ میں چچی! چچیں۔“ زمین نے صوفے کی
طرف اشارہ کیا مگر انہوں نے سنی ان سنی کر دی۔
”تم ہی آکر سمجھاؤ اسے۔“ ان کا اشارہ عاصمہ کی
طرف تھا۔
”کیوں کیا ہوا؟“ اس نے تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ
کیا۔
”رو رو کر بلکان ہو رہی ہے، کتنی سے عامر سے
شادی نہیں کرنی۔“ گوہر آواز دیا کر بولیں ”اگر اس کے

باپ اور لڑکی کو خبر ہو گئی تو وہ بلا تامل اسے جلن سے مار
دیں گے نادان لڑکی! زندگی کی قدر و قیمت سے نہیں
واقف۔“ گوہر کی آواز باوجود ضبط کے بھرا گئی تھی۔
SAA
نیو
C
رحل رحل پر آمد سے گزری تو عاصمہ کو ریڈور کی
طرف جاتی نظر آئی اس کی چال میں لڑکھائیت سی تھی
نہ جانے کیوں رحل بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔
”وہ لیتا رحل کی فطرت میں نہیں تھا مگر عاصمہ کی
حرکت ہی ایسی تھیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کی
طرف دھیان دینے پر مجبور ہو گئی۔ اسے کمرے میں
سچ کر عاصمہ کے پاس سے دروازہ بند کر دیا تو رحل
دیکھا ہری کھڑی رہ گئی۔
جب رحل باج سال کی تھی تو باپا جان اس کی تعلیم
کی خاطر لاہور منتقل ہو گئے تھے تب سے لیتا جان اور
وہ دونوں پچاسیت اکثر خاندان والے ان سے اکٹھے
اکٹھے رہتے تھے، حالانکہ افتخار گیلانی نے رحل سے
اپنی روایت کی پوری پوری سادہ دلی کرائی تھی۔
کی حدود میں قدرتی رنگت لے لے کر اس نے لڑکی
کی طرح نقاب لیتا شروع کر دیا تھا۔ عالیہ اور افتخار نے
حویلی کی روایات اپنی طرف سے پورے طور پر رحل کو
گواہ قبول کر پانے کی کوشش کی تھی۔ پھر رحل رحل
جانب چھینوں میں حویلی آئی تو اپنے بھائی کے ساتھ
امتیازی سلوک اسے بری طرح کھٹک گیا اور دونوں
معاویہ کا سلوک دیکھ کر وہ ہنس پڑا۔ سرد ہوتا تمام کزن بھی اس
پر ہنس پڑے۔
مینٹرک کے بعد باپا جان نے جب اسے کالج میں
داخل کرایا تو فاروق اور سہیل سمیت لیاڑنے بھی ان کا
”قریباً“ پیکٹ کر دیا۔ افتخار نے وعدہ کیا کہ جو بھی رحل
کے ریسرچیشن کر لے گی وہ واپس حویلی آجائیں گے۔
فاروق اور سہیل رانت میں کر رہے تھے۔ افتخار نے
شہر میں اپنا اچھا خاصا کاروبار شروع کر رکھا تھا۔ عالیہ
افتخار کی بیوی اپنے والدین کی اگلی اولاد تھیں
کیونکہ وہ لڑکی جائیداد نہیں وراثت میں ملی تھی۔ وہ اس

کے علاوہ دو شوکر مڑکی بھی مالک تھیں۔ اس لیے جی
فاروق اور سہیل کچھ کرنے پاتے تھے۔
حویلی کی کسی بھی لڑکی نے سوائے رحل کے کالج
یونیورسٹی کی شکل تک نہیں دیکھی تھی گاؤں میں بدل
تک اسکول تھا ساری کزنز نے وہیں سے پڑھا تھا۔ اعلا
تعلیم کے دروازے ان کے لیے بند تھے لڑکوں پر ایسی
کوئی پابندی نہیں تھی سارے کے سارے شہر کے اعلا
تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے تھے فاروق کو اپنی نسلی
روایت اور عادات پر فخر تھا۔ ان کی بات پتھر پر لکیر تھی
جو کہہ دیتے ہو کر رہتا ان کے پاس خاندان سے باہر
شادی کرنے کا قطعی کوئی رواج نہ تھا۔ مگر یہ حکم صرف
لڑکیوں عورتوں کے لیے تھا اگر ان کے جوڑے لڑکے
خاندان میں ہوتے تو ٹھیک ورنہ دوسری صورت میں
حویلی کی بلند دیواروں کے پیچھے ہی وہ کھٹ کھٹ کر
زندگی کے دن پورے کرتیں۔ خاندان میں شادی کی
صورت میں جائیداد کتنے حصے بخرے ہونے سے بچ
جاتے۔ زمینوں جائیدادوں کے دم سے ہی تو ان کی
عزت تھی۔
فاروق اور سہیل کی بڑی بہن صفورا خاندان میں
رشتہ نہ ہونے کی وجہ سے بیٹھے بیٹھے بوڑھی ہو گئی
تھیں خود سہیل کی بیٹی زمین پھوہ بھی جیسی بھر زندگی
گزار رہی تھی کیونکہ اس کے مکتیر کا انتقال ہو چکا تھا
اب کسی طرح بھی اس کی شادی نہیں ہو سکتی تھی
کیونکہ یہ بھی حویلی کی روایت بھی کہ ایک بار جس
لڑکی کے نام کے ساتھ کسی کا نام وابستہ ہو جاتا تو پھر پھر
حال میں اسے اسی کے نام پر زندگی گزارنی پڑتی ہو۔ بھول
کر بھی کسی اور مرد کا نام لیوں پر نہیں لاسکتی تھی۔ ان
کے گھرانے میں مہوے ایسی جرات کی تھی اور اسے
اس جرات کا نتیجہ لڑکھیز انداز میں جھگڑا تھا۔ اس
جرم کے نتیجے میں اسے کاری کر کے مارا گیا تھا۔ باپ
اور بھائیوں نے بندوقوں سے اپنی گولیاں ماری تھیں
کہ چہرہ تک مسخ ہو گیا تھا۔
محسنہ صفورا سے چھوٹی تھیں اور مہو محسنہ کی بی
بی تھی۔ اس کی بات اسے سے نو سال چھوٹے عمر کے

ساتھ ملے تھی اسے یہ فیصلہ پسند نہیں آیا۔ وہ بہت کم سن ہی تھی جب راحیل سے اتفاقہ کرنا ہوا۔ وہ اسے کراؤ لگاؤ میں بدل گیا بس سوچیں یہ۔۔۔ بھول ہوئی تھی جوانی کا جوش تھا یا محبت کی طاقت کہ اس نے بابتک دہل کر دیا مجھے اپنے سے نو سال چھوٹے عمر سے رشتہ نہیں منظور۔ فاروق نے بغاوت کے سرچشمے کا سراغ لگالیا یہ راحیل آفریدی تھا۔ آفریدی بھی ان سے کم نہیں تھے، نکر لیتا یا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا لہذا راحیل کو کارو اور مو کو کاری قرار دے دیا گیا یہ فیصلہ گیلانوں کے جرگے نے کیا تھا۔ اس فیصلے سے پہلے ہی مو اور راحیل کو مار دیا گیا۔ آفریدی دانت چینے اور خون کے گھونٹ پینے کے سوا کچھ نہ کر سکے چونکہ معاملہ لڑکی کا تھا اس لیے وہ کچھ نہ کر سکتے تھے مجبوراً چپ ہو گئے۔ مگر اندر ہی اندر انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

عالیہ اور افتخار فاروق کے سامنے مشترک انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پاس ہی سیل ایاز اور ان کی بیویاں بھی تھیں۔ فاروق کی آنکھوں میں زحمت اور غصہ محسوس کیا جاسکتا تھا۔

”تم نے اپنی مرضی کر لی سارے خاندان سے نکر لے کر اپنی بیٹی کو بڑھایا گاؤں سے شہر میں جا بے بے غیرتی کی زندگی کو آڑھنا بچھونا بنالیا ہم پھر بھی چپ رہے۔“

”بھائی جان! میں نے کون سی بے غیرتی کی ہے۔“

افتخار غصے سے بل کما کر رہ گئے۔ خود عالیہ کی یہی کیفیت تھی۔

”میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا بس یہ کہنا ہے کہ تم اب جو ملی آجائو تمہاری بیٹی جوان ہو گئی ہے میں اس کے فرض سے جلد فاسخ ہونا چاہتا ہوں بلکہ میرا خیال ہے عاصمہ کے ساتھ اس کا رشتہ بھی طے کر دیا جائے۔“

فاروق مضبوط کنبے میں کہہ رہے تھے۔ ان کے حکم سے کسی کو بھی سر تابی کی جرات نہیں تھی۔

عالیہ اور افتخار دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

”اس نے جتنا بڑھ لیا کافی ہے اب باقی لڑکیوں کی طرح اپنا گھر سنبھالے گی“ وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آہستہ آہستہ باقیوں نے بھی ان کی تقلید کی اور ایک ایک کر کے کمرے سے نکلنے لگے۔

غیر افتخار کی آنکھوں سے گوسوں دور تھی نہ خود عالیہ بے چینی سے کہہ نہیں بدل رہی تھیں۔ فاروق کیلانی کی باتوں نے ان کا سکون لوٹ لیا تھا۔ اس طوفان کے آنے کا اندازہ تو انہیں بہت پہلے سے تھا مگر جب اس طوفان نے ان کے گھر کا رخ کر لیا تھا تو بچاؤ کی صورت نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔ افتخار رحیل کے بہتر اور بد پیشہ مستقبل کی خاطر ہی شہر میں منتقل ہوئے تھے۔ حویلی کے کالے تانوں انہیں پسند نہیں تھے بہت ساری باتوں میں انہیں اپنے بھائیوں سے اختلاف بھی تھا پر انہوں نے کھل کر بولنے کی جرات نہیں کی تھی وہ نہیں چاہتے تھے رحیل کا مقدر بھی دیگر لڑکیوں کی طرح سیاہ۔ انہیں زمین و جائیداد سے زیادہ رحیل کی خوش

عزت تھی۔

”عالیہ! اٹھ کر بیٹھ گئیں۔“

”بھائی جان کی باتیں سنی ہیں۔“

”ہاں۔۔۔“

”مجھے رحیل دنیا کی ہر چیز سے پرہیز کر عزیز ہے اس کے لیے میں زندگی تک قربان کر سکتا ہوں میری بیٹی بہت حساس ہے دنیا کے مکرو فریب سے بچنے چاہیے۔“

”میں نہیں چاہتا وہ زمین جیسی مجبور زندگی گزارے یا پھر مو جیسے بھیانک انجام سے دوچار ہو مجھے تو عاصمہ کی تباہی بھی نظر آ رہی ہے۔ اپنے بھائیوں کی تنگ دلی اور خود غرضی یہ حیرت ہوئی ہے۔“

”شدت جذبات ہے ان کی آواز بھرا گئی۔“

”افتخار! اہل ہی لاہور چلتے ہیں یہاں اس مسئلے کا حل سوچیں گے آپ کس طرح فاروق اور سیل بھائی کو قائل کریں اگر کوئی اچھا رشتہ ہو تو دونوں مل کر

”اب اپنی حویلی میں سوائے یا سر کے کون رہ گیا ہے اور وہیں ان سے تم بھی واقف ہو وہ کسی طرح بھی ہماری رحیل کے الٹ نہیں ہیں۔“ افتخار آواز دبا کر بول رہے تھے۔ یا سر افتخار کے کزن کا بیٹا تھا پیدائشی اپنی بارہل تھا جسم تو بڑھ گیا تھا پر ذہان بچوں والا تھا۔

”افتخار! آپ ٹھیک کہتے ہیں پھر رحیل شروع سے ان ہنگاموں سے دور رہی ہے اسے ان سازشوں کے بارے میں پتہ ہی نہیں ہے جن کے آنے بانی حویلی میں بیٹھ کر بنے جاتے ہیں۔ مجھے فکر کی وجہ سے نیند ہی نہیں آ رہی ہے جانے اب کیا ہو گا۔“

”افتخار! مجھے کچھ نہیں پتا ہے۔“

”افتخار نے لالچ بند کر دی۔ آنکھیں بند کر کے ہونے والے بابت بھی فاروق کی باتوں کے بارے میں سوچ رہے تھے۔“

افتخار صبح لاہور جانے کی تیاریوں میں تھے۔ لاہور کی سڑکیں گیلان کی سڑکیں سے مختلف تھیں۔ لاہور کے گلیوں میں گاڑیوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

”افتخار! اٹھ کر بیٹھ گئیں۔“

”بھائی جان کی باتیں سنی ہیں۔“

”ہاں۔۔۔“

”مجھے رحیل دنیا کی ہر چیز سے پرہیز کر عزیز ہے اس کے لیے میں زندگی تک قربان کر سکتا ہوں میری بیٹی بہت حساس ہے دنیا کے مکرو فریب سے بچنے چاہیے۔“

”میں نہیں چاہتا وہ زمین جیسی مجبور زندگی گزارے یا پھر مو جیسے بھیانک انجام سے دوچار ہو مجھے تو عاصمہ کی تباہی بھی نظر آ رہی ہے۔ اپنے بھائیوں کی تنگ دلی اور خود غرضی یہ حیرت ہوئی ہے۔“

”شدت جذبات ہے ان کی آواز بھرا گئی۔“

”افتخار! اہل ہی لاہور چلتے ہیں یہاں اس مسئلے کا حل سوچیں گے آپ کس طرح فاروق اور سیل بھائی کو قائل کریں اگر کوئی اچھا رشتہ ہو تو دونوں مل کر

بدلتے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اس لیے میں نے پیو ریڈ سوٹ بنوایا ہے۔ مجھے ابھی ابھی پتہ چلا ہے کہ پرسوں نکاح ہو گا۔“

”وہ عاصمہ کو اب شرارتی لگا ہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اپنی طرف سے اس نے عاصمہ کو سر براہزہ دیا تھا۔ مگر اس وقت یو پڑخان ہوئی جب دیکھتے ہی دیکھتے عاصمہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔“

”تم رو کیوں رہی ہو؟“

”کپڑوں والا مگر اس کے ہاتھ سے گر گیا۔“

”تمہیں خوشی نہیں ہے تمہاری شادی ہو رہی ہے۔“

”اگر میری جگہ تم ہو تیں تو پھر پوچھتی کہ تم خوش ہو یا نہیں میری زندگی میں اب کسی خوشی کا گزر نہیں ہو گا۔“

”تازہ ہوائے سارے رات سے بند کر کے پوچھتے ہو سانس کیسے لے رہے ہو۔“

”وہ بیانی انداز میں کہہ رہی تھی۔ اس کے لبتے میں اتنا زہر تھا کہ رحیل ایک ٹک اسے دیکھتی رہ گئی۔ باپ کی عمر کے شخص کو شوہر کے روپ میں دیکھنا ایل صراحت چلنے کے برابر ہے میرے لیے مجھے چھوڑ دو کیا خدا دارا مجھے کیا اچھا لگا چلی

جاؤ۔ اس نے رحل کو زور سے دھکا دیا۔ کھینچنے کی کوشش میں اس کا سر دووازے سے جا لکرایا اور چند ٹانگیں کے لیے آنکھوں کے آگے ترسے ٹاپنے لگے۔

مناصحہ چراہا تھوں میں چھاپے رو رہی تھی۔
 جمعے کے روز حویلی میں گھبراہٹ مچ گئی تھی۔
 عاصمہ کے ہونے والے دولہا کو نکاح کے بعد رحل نے دیکھا تو اسے عاصمہ کی افسردگی اور رونے کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی۔

اس کی زندگی میں بہت بڑی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ایک زندان سے نکل کر دوسرے میں جانا تھا۔ رحل نے دونوں کو غور سے دیکھا۔ عاصمہ منہ بند کھلی تھی، چڑھتی ندی کی مانند پر شور اس کی اٹھان غضب کی تھی۔ گیلیاں کی شخصیت عاصمہ کے سامنے دلی دلی لگ رہی تھی۔ رنگت سرخ و سفید اور قرمبی مائل جسم کے ساتھ کھڑے کھڑے نقوش عاصمہ کے لیے کچھ ایسے بھی قابل قبول نہیں تھے۔

رحل اس سراسر بے جوڑ شادی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ نکاح کے بعد کھانا، ہوا تو رخصتی کی تیاری شروع ہو گئی۔ عاصمہ کے علاوہ سب ہی رو رہے تھے۔ خشک آنکھوں اور بے تاثر چہرے کے ساتھ وہ پتھر کی بے جان سی مورلی لگ رہی تھی۔

عالیہ اپنے سامان کو دیکھ رہی تھیں جو ملازمہ نے ابھی ابھی ان کے سامنے پیک کیا تھا۔ انکار یا ہر مردانے میں تھے۔ رحل زمین کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ عالیہ اندر کمرے میں اکیلے تھیں۔ ابھی ڈیڑھ دو گھنٹے میں انہیں نکل جانا تھا۔ انکار اٹھ کر ان کے پاس آئے تو عالیہ نے بتایا کہ رحل عاصمہ کے ویسے کے بعد آئے گی۔ اپنی طرف سے انہوں نے اطلاع دی تھی۔

”جیسے پتہ ہے تم بس نکلتے کی کرو، پرسوں تک آجائے گی ورنہ پورے چھوڑ جائے گا۔“ وہ بازو پہ بندھی رستہ اچ میں نام نہاد دیکھ رہے تھے۔

”تھیک ہے میں مل کر آتی ہوں۔“
 ”تھیک ہے میں بھی بھائی جان کو بتاؤں کہ نکلی رہا ہوں۔“ وہ بڑے بھائیوں کے پاس چلے آئے۔
 سب سے مل کر دونوں گاڑی میں آجیتے۔ رحل اس وقت تک دونوں کو دیکھتی رہی جب تک گاڑی نظر نہ آئی رہی۔ دل بے وجہ پریشان سا تھا۔ کسی انہونی کا دھڑکا سا لگا ہوا تھا۔ وہ خود ہی ضد کر کے دونوں کے لیے رکی تھی کہ عاصمہ کے ویسے میں جانا ہے۔ مگر نہ جانے کیوں ان دونوں کے جاتے ہی اس کا دل کھیرانے لگا۔

وہ زمین کے پاس چلی آئی جو نماز سے فارغ ہو کر دوا مانگ رہی تھی۔ وہ پاس پڑی گاڑی پر بیٹھ گئی۔ زمین سے باتوں میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا دونوں اس وقت جو کچھ باہر سے رونے پینے کی میسم آوازیں آ رہی تھیں۔ زمین اٹاں و خیراں لگے پاؤں پتھر یا ہر کی طرف بھاگی اس کے پیچھے پیچھے وہ اس رحل تھی۔ افتخار اور عالیہ کے خون میں لت پت زندگی کی حرارت سے محروم مرنے والے جسم مرکزی گھٹنے اندر لپکتا تھا۔

افتخار اور عالیہ کے جنازے آخری آرام گاہ تک لے جانے کے لیے تیار تھے۔ رحل بڑے لگایا کے مازوں میں تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ اب تو اس کا گلا بھی بیٹھ چکا تھا۔ کچھ کہنے کی کوشش میں شخص نے پتھر پھینکا۔ اسے سنبھالنا چاہا، مگر وہ بھاگ کر چلی گئی۔ عورتیں مردوں کے سامنے کھٹے سر نہیں جاتی تھیں مگر رحل جنازے کے ساتھ خشک پاؤں خشک سر دیوانہ وار بھیڑ کو چیرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ فاروق نے اماز کے ساتھ مل کر بمشکل اسے قابو کیا۔ وہ بری طرح چل رہی تھی۔

بیرونی گیت تک وہ اس طرح اپنے وجود سے لاپرواہ ہو کر آئی تھی کہ جنازے میں شریک تمام مرد حیرت زدہ تھے۔ یہ بات ان بھائیوں کے لیے ناقابل قبول

کسی نہ کسی طرح وہ رحل کو وہاں سے بنا کر اندر لانے میں کامیاب ہوئی گئی۔
 اچانک موت نے اس کے جو اس سلب کر لیے تھے۔ رحل کی حالت تباہ تھی وہ شکستہ دل تھی۔ ماں باپ کی جدائی کے دائمی صدمے نے اس کی ذہنی حالت کو قتل کر دیا تھا۔

شگفتہ گو ہر اور مرجان اس کے پاس تھیں۔ رحل سسک رہی تھی۔ شگفتہ اور گوہر اسے ہمدردی سے دیکھ رہی تھیں۔ شگفتہ نے رحل کو بے لاپرواہی سے آواز دلائی کہ آہستہ آہستہ اس کے پاس آؤ۔ رحل نے دیکھا کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔

گوہر اور شگفتہ کو رحل سے کچھ کہنا تھا۔ شگفتہ ایاز گیلیاں کی دوسری بیوی تھیں، خوب شوخ اور کم عمر ایاز نے شگفتہ سے شادی اپنی مرضی اور پسند سے کی۔ گوہر پہلی بیوی تھیں، بشعل ایاز کے وہ پسند میں تھیں۔ لہذا اسے رحل اور حویلی کے درمیان میں رہنا پڑا۔ رحل نے ان دونوں کی شادی میں دیر نہیں لگائی۔ گوہر اس ذرا سے اس میں ایک خلش تماشاخی کی طرح سب کچھ دیکھتی رہیں۔ شگفتہ ایاز کے دل کی رانی تھیں۔

رحل اس دوران فطرتاً ہی نکاہوں سے آنے والی تھیں۔ رحل اس دوران فطرتاً ہی نکاہوں سے آنے والی تھیں۔ رحل اس دوران فطرتاً ہی نکاہوں سے آنے والی تھیں۔

حویلی کے بانی مکینوں کی زندگی تو معمول پر آگئی تھی مگر اس کی ذات میں بچلے سنائے کم ہونے میں نہ آ رہے تھے۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وقت ایک جگہ رک سا گیا ہو، پتھر کے گاہ جاں مسلسل لمحہ گویا ساری عمر یہ محظوظ ہو گیا تھا۔

آکاش میں بھی اس روز ان دونوں کے ساتھ چلی جاتی تو آج اس دکھ سے تونہ گزرتا رہتا۔ ”وہ اکثر خود سے کہتی اس وقت بھی قدرے الگ تھلک سی بیٹھی وہ

مما اور بھیا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔
 وہ باغ کے مغربی کونے میں تھے درختوں کی قطار کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ کالی چادر میں خود کو لپیٹے حسب معمول وہ دکھ کی کیفیت میں تھی۔

شام ڈھل رہی تھی۔ تھنے درختوں کی وجہ سے اندھیرا کچھ زیادہ ہی گہرا لگ رہا تھا یا پھر اسے محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کسی کے بیماری قدموں کی چاپ اس طرف آئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بھینس گئی۔ اوہرا دھڑکے کچھ نظر نہیں آیا مگر آواز بدستور آ رہی تھی وہ ڈر سی گئی۔ کیونکہ یہ باغ حویلی کا حصہ نہیں تھا اس سے الگ تھا اور کالی گھنٹا تھا، اکثر یہاں چلی آتی اور یادوں کا میلہ سجالتی غمگین دو گھڑی آنسو بہا کے دل کو سکون مل جاتا۔

آنے والا جو کوئی بھی تھا اسی طرف آ رہا تھا۔ رحل نے سر کٹی چادر کو سنبھالا تو وہ اس کے سامنے آ رہا۔ رحل نے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا۔ وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

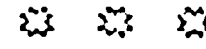
”تم کون ہو اور راستے میں کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟“ اس کا شانہ مزاج جلال میں آ گیا۔
 ”نہیں بڑے سائیں کے ساتھ ہوتا ہوں اور باغ کی نگرانی بھی میری ذمہ داری میں ہے۔“ اس نے اپنے مقام کی وضاحت کی تو رحل نے تلمے قدم اٹھائی اس کے پاس سے گزر کر آگے جانے لگی۔ وہ لبوں پہ گہری مسکراہٹ لیے جاتی ہوئی رحل کو بغور دیکھ رہا تھا۔

یہ طارق تھا فاروق گیلیاں کا نیا ملازم۔ جو آتے ہی ان کی آنکھوں کا تار دہن گیا تھا انہوں نے اسے سب ملازموں کا نگران بنا دیا تھا۔ کچھ خاص ذمہ داریاں بھی تفویض کر دی تھیں، جس کی وجہ سے اس کی خاص اہمیت ہو گئی تھی جو کسی بھی شک و شبہ سے بالا تر تھی۔

فاروق جہاں کہیں بھی جاتے اسے لازماً ساتھ لے جاتے۔ وہ لڑائی بھڑائی کا ماہر کڑیل جوان تھا۔ اس نے فاروق گیلیاں کا اعتماد حاصل کر لیا تھا، وہ انہیں بند کر کے اس پر اعتبار کرنے لگے۔ حویلی واپس آ کے رحل

اٹھ کی گھڑی نکلا ہوں گے تیار ہے میں سوچتے سے خود کو باز نہ رکھ سکی۔ وہ ملازم تھا مگر اس کے دیکھنے کا انداز ہر گز ملازموں جیسا نہ تھا۔ حویلی کے نوکروں کی اتنی جرات ہرگز نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ مالکوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے۔

”شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہوا ہو گا اس لیے تو غوراً سے سوالیہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔“ اس نے خود کو یقین دلایا۔



ڈیڑھ ماہ کے بعد وہ شراپے گھر آئی تو ایک ایک چیز کو چھو چھو کے دیکھا سب کچھ ویسا ہی تو تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی صرف مہیا اور بھائی تو نہیں تھے۔ اس کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ صفورا اچھو چھو سے پتہ چھو چھو پانے کے لیے وہ ان کے سامنے سے اٹھ کر گئی۔

اس کی تعلیم کا سلسلہ بھی کالی حرج ہو چکا تھا۔ برے آیا نے خود اسے چھوڑا پھو پھو اور تین ملازموں کے ساتھ لاہور بھیجا تھا۔

”رحل بیٹا! اپنی پرچہ لے کر لاہور چلا آئے“ ساتھ مراٹھیں جا رہی تھیں کل ہی کہیں لاہور پہنچوانے کا انتظام کرنا ہوا وہاں کہیں اکیلے پن کا مسئلہ ہو گا اس کا حل بھی نکال لیا ہے میں سب سے صفورا تمہارے ساتھ ہو گی اس کے علاوہ تین ملازم بھی ہیں جن میں خود بھی ناگم نکال کر چکر لگا رہا ہوں گا فکر پریشانی کی بات نہیں ہے تم ادا اس نہ رہا کرو مرنے والے کی ندرت کو تکلیف ہوتی ہے۔“ حیرت انگیز طور پر ان کا لہجہ نرم تھا۔ بھائی کی موت کے بعد وہ کالی بدل گئے تھے۔ یہ تبدیلی مثبت بھی اور رحل کے حق میں بہتر تھی۔ اپنے گھر کے مطابق انہوں نے رحل کو لاہور پہنچوانے میں دیر نہیں لگائی یوں اب وہ اپنے گھر میں بھی جو پہانے اپنی پسند اور ذوق کے مطابق تعمیر کرایا تھا۔

شروع کے دن تو اس کی کالج فرینڈز کا تاننا بندھا رہا جنہیں اس کے والدین کی موت کا پتہ نہیں چل سکا تھا سب عزیمت کے لیے آتے رہے۔ وہ بھی دوبارہ سے

صفورا پھوپھو کا زیادہ وقت کمرے میں ہی گزر جاتا۔ ہمہ وقت موبے دانوں کی سفید سیخ ان کے ریشہ زدہ ہاتھوں میں نظر آتی، رحل کے کہنے کے باوجود وہ کمرے سے کم ہی نکلتی۔ کبھی کبھی وہ بہت بوز ہو جاتی۔ ہسپتالیاں اس نے زیادہ نہیں بنائی تھیں۔ ارم اور ملائکہ ہی اس کی اچھی دوستوں میں شمار ہوتی تھیں، باقی کسی کے ساتھ زیادہ راہ و رسم اس نے برعکاس ہی نہیں سخی ارم اور ملائکہ آتی رہتی تھیں وہ کم ہی جاتی کیونکہ یہاں کو اس کا کہیں بھی زیادہ آنا جانا پسند نہیں تھا۔ سو وہ سختی سے اس پہ عمل پیرا تھی۔

لاہور آئے ڈیڑھ ماہ ہو چکا تھا۔ صفورا پھوپھو دیکھائی ہوئی تھیں وہ شہری طرز زندگی کی عادی نہیں تھیں ساری زندگی حویلی کی کھلی فضا میں سانس لیا تھا اب اس برعکاس میں بھلا نے انہیں یہاں بھیج دیا تھا۔

اب کل سے ان کا دل بے حد گھبرا رہا تھا سوانہوں نے کچھ دن کے لیے گاؤں چلا گیا تھا۔ ملائکہ نے گاؤں کے بعد ڈرامیو اور تین ملازم بھی لے لیے۔ جو ملازم گاؤں سے رحل کے ساتھ آئے تھے وہ گھر کی حفاظت و نگرانی۔ مامور تھے سو یہیں تھے اس طرف بٹھے بے فکر رہتی۔ اتنے دن کے بعد گاؤں کا چکر لگ رہا تھا۔ اس لیے وہ ساری پریشانیوں سے بھلائے تیار ہو رہی تھی۔ صفورا برکت کو گھر کے بارے میں بدلیات دے رہی تھیں۔ تیار ہونے کے بعد رحل نے کالی چادر کو اچھی طرح اپنے ارد گرد لپیٹا۔

صفورا اندر تھیں شاید۔ ڈرامیو جو فاروق گیلانی نے بھیجا تھا ان دونوں کے انتظار میں تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی گاڑی کے قریب آئی۔ آہٹ یہ طارق نے سگریٹ پیچہ کا اوڑ پیٹھ سوڑی۔ رحل کا صبح و شام چہرا اس کی نگاہوں کی گرفت میں تھا۔ اس نے پیچھا دو روزہ کھول دیا۔ وہ اسے یہاں دیکھ کے قدرے حیران سی ہوئی۔ اس کے دیکھنے کے انداز کی وجہ سے وہ اسے یاد نہ کیا تھا۔ اس کے بیٹھنے

کے بعد وہ خود بھی اٹھی سیٹ پہ کھوم کے آبیٹھا۔ مشورا
چھپو ابھی بھی اندر تھیں۔

رہل اندر ملنی دروازے پہ نگاہیں جمائے بیٹھی تھی
جہاں سے مشورا پھو پھو کو آتا تھا۔ اسے خود سے بے خبر
دیکھ کر طارق بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ مشورا پھپھو
اندر سے برآمد ہوئیں تو رہل نے سکون کا سانس لیا۔
”کیسے ہو طارق پھر؟“ وہ انہیں آتا دیکھ کر گاڑی
سے اتر آیا تھا اب وہ اسے حال احوال پوچھ رہی
تھیں۔

”میں ٹھیک ہوں دعائیں ہیں آپ کی۔“ وہ موزوں
سا کھڑا تھا مشورا نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا جو ظاہر کر
رہا تھا کہ طارق نامی یہ شخص عام سانو کر نہیں ہے۔
گاڑی چل پڑی تھی صفورا سب کے بارے میں
دریافت کر رہی تھیں وہ آج اتنے دنوں بعد کھل کے
بول رہی تھیں جس پہ رہل اندر ہی اندر خاصی حیران
بھی ہوئی۔

رہل کو دیکھ کے زمین کے چرے پہ خوشی سی جاگی
تھی۔ اس نے اسے لپٹا لیا تھا۔

”اتنے دن کے بعد آئی ہوا رات کو دیر تک جاگیں
تے اور ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔“ وہ اسے پروگرام
سے مطلع کرنے لگی۔ رہل کی ساری تھکن اتر گئی
تھی۔

”ستو عاصمہ بھی آئی ہوئی ہے۔“

”کب آئی؟“

”پرسوں سے آئی ہے۔“

”خوش ہے کیا؟“

”خود پوچھ لیتا۔“

”کہاں ہے؟“

”اپنے کمرے میں ہے۔“ زمین اس کے تیز تیز

سوال کر رہی تھی پڑی۔

”میں اس سے ملنے جا رہی ہوں۔“

”دیرینہ دیرینہ ابھی تو آئی ہو فریش تو ہوا۔“

”دو اسے بغور دیکھ رہی تھی۔“

”نہیں پہلے اس سے مل لوں پھر باتی بعد میں۔“ وہ

جلالت میں نظر آ رہی تھی۔
”ٹھیک ہے میں بھی تب تک نماز پڑھ لوں فارغ ہو
کے تم لوگوں کے پاس آتی ہوں۔“ زمین نے نماز کے
لیے نیت باندھ لی۔
عاصمہ باہر بیٹھی ہوئی تھی اسے دیکھ کر زمینی سی
(سکرا ہٹ لبوں پہ سجالی۔)
”کیسی ہو عاصمہ۔“ وہ محبت سے اس کے ہاتھ
تھامتے ہوئے ہوئی۔

”آئی مس یو میں نے تم سب کو بہت یاد کیا خاص
طو پر تم کو تم سناؤ ٹھیک ہونا کیا حال چال ہے۔“

”بس دسای حال ہے جیسے پچاسی پانے والے مجر
کا ہوتا ہے بل بل موت کے انتظار میں آجوں بار جیٹا
اور مرنا ہے۔“ اس کے ہاتھ میں کچھ ایسی بات ضرور
تھی جس نے زمین کو اندر تک ہلادیا عاصمہ کے اندر
کتنی گہری تھی اس کی ہمہ وقت ہنسی آنکھوں میں
اب لبت سا ملکورے لیتا محسوس ہو رہا تھا۔

”میں بھی نماز پڑھنے کے بعد ان کے پاس آگئی
تھی۔“

”میں نے اسے لپٹا لیا تھا۔“
”یہ آئینہ زمین کی طرف سے آیا تھا
رہل کو فوراً تیار ہوئی البتہ عاصمہ کے قدم ست
ست سے تھک کر رہل اسے ساتھ لے ہی آئی۔

”موسم سرما کے پہلے پہلوں کی منک میں رہی تھی
صاف محسوس کی جا سکتی تھی تینوں درختوں کے گھنے
سلسلے سے قدرے الگ آئینہ زمین کی طرف سے
بست زیادہ تھی۔

”میں مالے توڑ کے لاتی ہوں یہاں بیٹھ کے کھائیں
گے۔“ رہل انہی کے کپڑے ہموار کرتی بائیں سمت ہوئی
جہاں قطار در قطار درختوں پہ ماٹوں کی تان لٹل اپنے

رجو میں تھی۔

”ہینس میں توڑ دیتا ہوں۔“ وہ ابھی تین چار مالے
ای توڑ پائی تھی کہ یہ جانی پہچانی سی آواز سن کر اچھل ہی
پڑی دوپٹے میں رکھے مالے دور جا کرے۔ اس کا دل

ابھی تک دھک دھک کر رہا تھا۔

”میں اپنے کام خود کرتی ہوں۔“ وہ خشک لہجے میں
بولی وجہ اس کے دیکھنے کا بے باک سا انداز تھا جس کی
وجہ سے اس کے لہجے میں خود پہ خود ہی شکن آگئی تھی۔
وہ اگر ملازم تھا تو ملازم لگتا کیوں نہیں تھا۔

”وہ اس کے تاثرات دیکھ کر دور ہٹ گیا۔“ رہل
مالے توڑ کر زمین اور عاصمہ کی پاس آگئی۔

”ابھی کچھ دیر میں مغرب کی اذان ہو جائے گی اس
وقت ہم مالے کھائیں گے نہ بابا اتنی لمبند میں مرنے کا
پروگرام نہیں ہے۔“ زمین نے کانوں کو ہاتھ لٹکایا۔

رہل نے نوٹ کیا کہ وہ کچھ زیادہ ہی چمک رہی ہے یہ
تبدیلی اس میں چند مہینے قبل آئی تھی۔ رہل کو تو اچھی
پہچانی تھی اس کے دماغ میں تھی کہ زمین کی مسکراہٹ
کے ذرا بھی رہے۔ اب بھی اس کا پھر شار سا انداز دیکھ کر وہ
خوش ہوئی البتہ عاصمہ کی افسردگی اس کے پورا اشت نہیں
ہو رہی تھی وہ اسے خوش کرنے کے لیے اذیتوں کے
قے پھینچ رہی تھی۔

”آپ نہ کھائیں ہم تو کھائیں گے۔“ اس نے
”میں نے اسے لپٹا لیا تھا۔“

”میں نے اسے لپٹا لیا تھا۔“
”یہ آئینہ زمین کی طرف سے آیا تھا
رہل کو فوراً تیار ہوئی البتہ عاصمہ کے قدم ست
ست سے تھک کر رہل اسے ساتھ لے ہی آئی۔

”موسم سرما کے پہلے پہلوں کی منک میں رہی تھی
صاف محسوس کی جا سکتی تھی تینوں درختوں کے گھنے
سلسلے سے قدرے الگ آئینہ زمین کی طرف سے
بست زیادہ تھی۔

”میں مالے توڑ کے لاتی ہوں یہاں بیٹھ کے کھائیں
گے۔“ رہل انہی کے کپڑے ہموار کرتی بائیں سمت ہوئی
جہاں قطار در قطار درختوں پہ ماٹوں کی تان لٹل اپنے

رجو میں تھی۔

”ہینس میں توڑ دیتا ہوں۔“ وہ ابھی تین چار مالے
ای توڑ پائی تھی کہ یہ جانی پہچانی سی آواز سن کر اچھل ہی
پڑی دوپٹے میں رکھے مالے دور جا کرے۔ اس کا دل

ابھی تک دھک دھک کر رہا تھا۔

لڑکیوں کو شائنگ کرنا تھی یہ فریضہ بھی طارق کے
سر ہو گیا گیا کہ وہ سب کو لے جائے زمین بہت خوش
لگ رہی تھی اس کی لوزیٹی گلابی رنگت بہت پرکشش
لگ رہی تھی۔

وہ ساری آنکے گاڑی میں بیٹھیں تو طارق سب
سے آخر میں اندر سے نکلا۔ گرتے گرتے کر آشلوار
میں اس کا بلند قامت نمایاں لگ رہا تھا جاذب نظر سراپا
سراپے جانے کے لائق تھا۔

”طارق بھائی بہت زبردست لگ رہے ہیں۔“ یہ
پندرہ سالہ ناریہ بھی زمین نے جی ہی جی میں اس بات
سے اتفاق کیا۔ رہل نے طارق کی طرف دیکھنے سے
احتراز کیا۔ اس نے گاڑی اشارت کر کے گیٹ سے باہر
نکلی۔ ہرے بھرے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔
”طارق بھائی! میوزک لگاؤں نا۔“ ناریہ منہ پٹت
اور لا پرواہی تھی۔ زمین نے گھورا بھی پر وہ کہاں باز
آنے والی تھی۔

طارق نے فوراً اس کی فرمائش پوری کر دی۔

آج کلکا جوڑا پاساڑی فرمائش تے

ذرا باکے سامنے آسلاڑی فرمائش تے

شرارتی سی ناریہ کی ہنسی چھوٹ گئی سامنے ہی تو
رہل تھی۔ کالے کپڑوں میں ملبوس رہل کو بے
طرح ناؤ آیا وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی پھر ناریہ کی کھی
کھی ساری راستے جاری رہی۔ رہل نے تو چند چیزیں
لٹی تھیں لے کے واپس ہوئی ان چاروں کا آہ تہ ہی
نہیں مل رہا تھا۔ وہ مطلوبہ جگہ پارک کی گاڑی کے پاس
آگئی۔ اندر طارق موجود تھا۔ وہ لوں ہاتھوں میں تھامے
شارز اس نے پچھلی سیٹ پہ تقریباً ”خٹنے کے انداز میں
پھینکے اور خود بھی بیٹھ گئی۔

”ان کپڑوں میں آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔“

طارق کے اس جملے نے اسے سر ہانسا کا کے رکھ دیا۔

”تمہاری جرات کیسے ہوئی مجھ سے یہ سب کئے
کی۔“

”یہ جرات مجھے آپ کی محبت نے دی ہے مجھے کہنے
 دیں کہ مجھے آپ سے اس دن سے محبت ہو گئی تھی
 جب پہلی بار آپ کو دیکھا تھا۔“ طارق کا لہجہ ہر قسم کے
 خوف سے بے نیاز تھا۔ (A.I.D.)
 ”میں تمہیں کتوں کے آگے چٹکوا دوں گی۔“
 شدتِ غمّین سے اس کی رائگت سرخ ہو گئی تھی۔
 ”چلیں یہ بھی کر کے دیکھ لیں پھر بھی میری محبت
 میں کمی نہیں آئے گی۔“
 ”تم نوکر ہو نوکر۔ اپنی اوقات نہ بھولو۔“

کیا۔ ورنہ طارق کے بارے میں سوچ سوچ کے اس نے خود کو تھکا ڈالا تھا۔ اسے آئے ہوئے تیسرا روز تھا جب حویلی سے طارق حضور اچھو اچھو کو لینے آگیا انہیں تانا قاریق بنے بلوایا تھا تو بزدل کھنٹے کے اندر اندر روانہ ہو گئیں جاتے جاتے انہوں نے بس مختصراً "اٹا ہی کہا تھا

دلیل سے برکت کی بیوی کو اپنے ساتھ والے
گھر سے فاصلے کو کما تو برکت ملی دلی زبان میں

راہی ہوں میرا انتظار نہ کرو۔ عین وقت پہ وہ تیار ہو جائے گی۔
 گیس اس لیے ہم اکٹھے نکلیں گے۔ ہم بھی جلدی
 آؤ وہیں ملوں گی۔ "فون بند ہو چکا تھا مگر وہ ابھی تک
 اس کی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

وقت ہو رہا تھا۔
 دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔ "کھلا ہوا ہے
 دروازہ اندر آ جاؤ۔" وہ سمجھا کہ برکت ہے مگر رحل کو
 دیکھ کر اس کے ہاتھ سے جتنا سگریٹ چھوٹ کر نیچے جا
 گر اس کی حیرت بجا تھی۔
 "مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے مجھے نہیں پتہ تم
 کون ہو۔ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو مگر یہ پتہ ہے
 کہ تم آیا جان کے بہت قریب ہو۔ میں تمہیں اتنا کچھ
 دے سکتی ہوں کہ جس کا تصور تم نے ابھی خواب میں
 بھی نہیں کیا ہو گا۔" بولو میری مدد کرواؤ گے؟" وہ ملتی
 نہ تھیں اسے اسے دیکھ رہی تھی۔

”یہ کیا کر دیا میں نے کتنی بڑی بے وقوفی کر دی۔“
نمبر اب تیر گن سے نکل چکا تھا۔ اسے کمرے میں
واپس آئے اور منہ پر گزرا ہی ہو گا کہ سیل فون بجنے
لگا۔ اجنبی نمبر تھا مگر جب اس نے آن کر کے کان سے
لگایا تو طارق کی آواز پہچاننے میں اسے ذرا بھی دقت
نہیں ہوئی۔

”میں آجائوں گی تمہاں ٹائم آتا۔“

"میں اتنی بڑی جائیداد کی اکیلی وارث ہوں یا تو چاہئے یا نہیں
 یا سر کے ساتھ میری شادی کرنا چاہ رہے ہیں ایسا نہیں
 ہونے دوں گی میں نے اگلاں کمزور ہوں البتہ حویلی کی
 فرسوں پر ایک پتہ قرین نہیں ہو سکتی، عاصمہ اور
 زہرا کی سمیت حضور اچھو پھو کی زندگی میرے سامنے
 ہے مجھے تو یوں لگتا ہے اگر میں نے صاف صاف انکار
 کر دیا تو آیا جان کاری قرار دے کر مجھے قتل کرنے میں
 ایک چھوٹی سی سیڑھی ہے جس پر چل کر آجائیں گے
 مجھے چاہیے میں یہ سچلی ہے کہ جائیداد کی خاطر
 حویلی کی مجبور رہے بس عورتیں اس ظالمانہ رسم کا شکار
 ہوئی لڑکی ہیں اب تم بتاؤ کیا کہتے ہو؟" **ارباب**
 "میں راضی ہوں اگر مجھے کیا فائدہ ہو گا آخر میری
 جان بھی خطرے میں ہے۔"
 "فائدے کی فکر نہ کرو لہذا ہو گا کہ تمہاری سات
 فلیس بھی سکون سے بیڈ کے کنارے چلی پڑ جائے گی۔"
 یہ سب؟

”خس کل ہی انتظام کر لوں گا۔“
 ”تکریہ یاد رکھنا کہ بے ایمانی اور خیانت مجھے پسند
 نہیں۔“
 ”ٹھیک ہے۔“ طارق اسے غور سے دیکھتے ہوئے
 بولا تو اندر ہی اندر وہ جزبز ہو گئی۔ مگر ردا شہت کرنا بھی تو
 مجبوری تھی۔

سے شادی کر لو گے؟ تو وہ اس آفر سے ہکا بکار
 ہوا تھا صرف کچھ عرصے پہلے کے لیے مجھے تمہارا نام
 دیا ہے اس کے بدلے میں تمہیں پچھلے رقم دوں گی
 اماں کی صرف نام کی شادی ہو گی میں اس پہلو سے
 مشہور ہونا چاہتی ہوں تاکہ یا سر کے ساتھ شادی سے
 نام اس جو بعد میں ہو گا رکھا جائے گا اس وقت مجھے
 کی مشیت ہے تمہارا نام چاہیے تاکہ امتحانوں
 بعد جبکہ میں دیوانی اجاڑوں تو یا سر نام کا اسباب
 میرے لیے مسئلہ نہ کیا جائے۔ "وہ کبیدہ سی لگ رہی

آپ کو بڑے سائیں کے خطرے کا احساس نہیں
 ہے؟ طارق نے پوچھا تھا۔ یہ سوال جیوری سے اس
 وقت کہن میں گھل رہا تھا۔
 جیوری نے ہنسنے لگا اور کہنے لگا کہ میں مہاجرین کی جائیداد
 کی انٹرویو وارث ہوں اور وہ یہ سب حاصل کیے بغیر
 نہ ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے یا سر کے ساتھ شادی کے
 لیے۔ میں بھی مجھے یہی حکمت عملی نظر آتی ہے۔ میں
 جیوری نہیں ہوں یہاں کے گھر کے دوست انکل
 کا بیٹا ہے جو کہ میں میں نکاح نامے کی ایک کاپی ان
 کے پاس رکھواؤں گی تاکہ کسی بھی خطرے کی صورت
 میں اسے کام میں لایا جاسکے۔ ہاں کہیں تم کام خراب
 کر رہا۔

”کیسے کام خراب ہو گا؟“ اس نے آنسوؤں سے

”آپ جیسی لڑکی سے تو کوئی بھی شخص بڑی آسانی سے شادی کے لیے تیار ہو سکتا ہے کیونکہ آپ صاحب جائیداد ہیں خوب صورت ہیں اچھے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔“ طارق کی مخصوص نگاہیں اس پر ٹک گئی تھیں۔

”میں سمجھتی تھی کہ ان چکروں میں نہیں پڑی بس اپنے آپ میں لگن رہی، ماما اور بہا کی محبت نے کسی اور طرف دیکھنے ہی نہیں دیا۔ ویسے تم ایک بات تو بتاؤ کتنا پڑھے لکھے ہو، کبھی کبھی تم مجھے بڑے گھرے اور پراسرار لگتے ہو تمہاری شکل و صورت چغلی کھاتی ہے کہ تمہارا تعلق کسی اچھے خاندان سے ہے۔“ اس کی سوچ کی رو اب طارق کی طرف سیٹ گئی تھی۔ وہ ہنس دیا۔

”میں اتنا پرہا لکھا نہیں ہوں عام سا انسان ہوں تب ہی تو آپ کی چاکری کر رہا ہوں اور میرا خاندان میری طرح عام سا ہے میں اتنا خاص نہیں ہوں یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ میں پراسرار ہوں۔“ طارق نے قصداً لاپرواہ انداز اپنایا تھا۔ یہی ہوا رحلہ پھر بحول بحال کے اپنے مطلب کے موضوع پر آگئی تھی۔

سب کچھ بڑی آسانی سے ہو گیا تھا۔
طارق ادھر ادھر منہ گشت کرنے کے بعد خاصی دیر
بعد لوٹا تھا۔ میٹر حیاں چڑھتے ہوئے اس نے رطل کے

گھر کے کی طرف دیکھا تھا جس کا دروازہ اور لائٹ بند تھی۔ بے ساختہ ایک چرمروہ مسکراہٹ لبوں پہ آکے معدوم ہو گئی تھی۔

وہ دن میں زندگی کا رخ بدل چکا تھا۔ اگر بڑے سائیں اور حوصلے کے دیگر بڑوں کو علم ہو جاتا کہ وہ رحل کی زندگی کا مالک بن گیا ہے تو اسے ایک منٹ سے بھی کم میں بھوکے کتوں کے آگے پھٹکوا دیا جاتا یعنی قبضہ ہی ختم ہو جاتا۔ بڑے سائیں اسے برابر بٹھاتے تھے ہر بات میں مشورہ لیتے تھے اس نے ایک طرح سے ان کے اعتماد کو توڑا تھا۔

رحل نے برسوں کتنے اعتماد سے پوچھا تھا مجھ سے شادی کرو گے؟ کتنی رعوت تھی رحل کے انداز میں کہ یہ شادی نام کی ہوگی کتنی خود غرض اور سنگدل تھی وہ کتنے آرام سے پاؤں کیا تھا اپنے مطالب کے لیے اسے استعمال کیا تھا۔ جب مطالب نکل جاتا تو وہ سے کبھی کی طرح نہیں کئے پھینک دیا جاتا بس یہی اوقات تھے اس وقت اس نے اچھی خاصی رقم آفر کی تھی جس میں آدھی لاکھ کے لاکھوں میں نہ سیر ہو سکتی تھی۔ باقی آدھی معاوضہ کے طور پر اس کے لیے ملتی تھی جب وہ رحل کو بلالاق دیتا۔

رحل نے صاف شہنشاہ کہہ دیا تھا کہ وہ سچ سچ اس کا شوہر بننے کی کوشش نہ کرے بلکہ نکاح سے پہلے وہ معمول سے ہٹ کے قدرے اہتمام سے تیار ہو جائے۔

نکاح کے بعد جب طارق نے اسے دیکھا تو اچانک احساس انگریزی لے کر بیدار ہوا کہ اب ان کے تعلقات کی نوعیت بدل گئی ہے۔

وہ برابری کی سطح پہ آگیا ہے بلکہ طارق کا مقام اس سے ایک درجہ اونچا ہو گیا ہے اس نے خود جو اسے بقا کی ہوشیاری جو اس شوہر تسلیم کیا ہے۔ وہ اسے اچھی تو پہلے سے لگتی تھی اب اس کی ملکیت میں آچکی تھی۔ رحل نے قدم قدم سے اس کی تذلیل کی تھی اسے اس کی اوقات یاد دلائی تھی اسے کمزورات و کم مایہ ہونے کا طعنہ دیا تھا وہ آج ایک ہی وار میں اس کے تمام بدلے اتار

سکتا تھا کیا بوجہ مستثنیٰ سا ملازم ہے اب تو اس کا شوہر ہے۔ وہ کیا کر سکتی ہے زیادہ سے زیادہ شور مچا سکتی ہے آنسو بہا سکتی ہے اور مفتوحہ قوم کے مقدّر میں آنسو بہانا ہی لکھا ہوتا ہے۔

کیسی کیسی سوچیں تھیں جو اس کے ذہن میں آ رہی تھیں۔

وہ تو آرام سے کمر بند کر کے سو گئی تھی کتنا فاصلہ تھا بیچ میں محض چند میٹر جیوں اور قدموں کا وہ اوپر کی منزل پہ رہائش پذیر تھا جبکہ رحل نیچے اپنے بیداروں میں ہوتی تھی۔ یاد ان لڑکی آگ اور بارود کے گھیرے میں لحدی ہوئی تھی۔ خود سے لڑتے لڑتے وہ کافی دیر بعد سویا تھا۔

طارق مگر شہنشاہ ایک ہفتے قبل یہ کہہ کر گیا تھا کہ وہ اس کے دور آقا ایک گاؤں میں اس کے کاموں سے اس کی طبیعت کافی خراب ہے اس نے بڑے سائیں سے اجازت لے لی۔ بتایا اسے اس کی جگہ اسلام اور اس کی بیوی کو رحل کے پاس بھیج دیا تھا۔ وہ خود بھی چاکر مانگا۔ عاتق اسلم کے سر پر کے چار ٹکٹ لائی تھی جو پانی میں ہو رہا تھا۔ ان دونوں کے ساتھ لائبر اور دوبارہ بھی تھیں۔

طارق دوبارہ لائبر اور لائبر شو کے خاتمے کے بعد آؤں سے کمرہ پر کھلی فضا میں آئی۔ ٹونٹنگ پول سے قدرے ہٹ کر بیٹھے ہوئے اس نے خود کو خاصا سکون محسوس کیا۔

سائنٹ بڑنگ گھنٹ گھنٹ جیتے ہوئے وہ ساتھ ٹونٹنگ پول میں اٹھ گیا۔ لیاں کرتے ہوئے انوں کو قطعاً "نیر ارادی طور پہ" دیکھ رہی تھی۔ اچانک گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹے چھوٹے بچا۔ ٹونٹنگ پول سے برآمد ہو کر جس شخص نے نیلے آؤں سے لے لے لے کو صاف کیا تھا وہ طارق کے سوا کون ہو سکتا تھا۔ کنارے پہ پیچھی چیز میں سے وہ ایک یہ آرام دہ انداز

میں نیم دراز ہو چکا تھا۔ ساتھ ہی وہ سری سائیڈ پہ ایک طرح کا سی لڑکی جیٹھی ہوئی تھی جس کے ساتھ وہ بیٹھ رہا تھا۔

رہل پہ چرتوں کے میڈیوٹ بڑے تھے طارق جیسا معمولی شخص ایک جھینس و پرکشش لڑکی کے ساتھ یہاں کیا کر رہا تھا۔ اس کا پر اعتماد انداز بتا رہا تھا کہ وہ یہاں آتا جا رہا ہے۔

اس سے رہا نہیں گیا تیز حیرت قدم اٹھاتی اس کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ اسے سامنے پا کر حیران رہ جائے گا پر وہ انساوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا جیسے جانتا ہی نہ ہو۔

"طارق! تم یہاں کیا کر رہے ہو تم تو گاؤں کا کہہ کر آئے تھے؟" وہ ابھی انداز میں اسے دیکھتے لگا

"مجھے تو آپ کون ہیں؟" اس کا شاندار مغبوطی بدن دھوپ میں چمک رہا تھا۔ اس کے ساتھ جیٹھی لڑکی بھی حیرت و دلچسپی سے رہل کو دیکھ رہی تھی۔

"طارق! تم ہوش میں تو ہو۔"

"محترمہ! آپ نے کیا طارق طارق کی رٹ لگائی ہوئی ہے میرا نام ولید ہے ولید آفریدی۔"

"تم طارق نہیں ہو؟" اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

"سوئیہ! تم ہی! نہیں یقین بالو کہ میں طارق نہیں ہوں۔" وہ حیرانہ رہل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تو اس نے سبکی محسوس کی۔ میرا آئی ڈی کارڈ انہیں دکھاؤ۔

"اس میں ان کا تصور نہیں ہے تمہاری پر سنائی ہی ایسی ہے۔" وہ دلکش حسینہ طنزیہ بولی تو رہل نے سخت توہین محسوس کی۔ وہ وہیں سے مڑی اور باہر ہارنگنگ لائٹ میں کھڑی اپنی گاڑی کے پاس آگئی۔

وہ حیران تھی کہ وہ بندوں میں اس حد تک بھی مشابہت ہو سکتی ہے۔ صرف ہیرا سائل کا فرق تھا۔

طارق کے بلل پیچھے کی طرف تڑپے ہوئے تھے جبکہ یہ شخص اپنا نام ولید آفریدی بتا رہا تھا اس کا بیڑ

اشفاق بنید فیض کے مطابق تھا۔ دونوں کے جسم کسرتی اور مضبوط تھے ویسے ہی افقوش طارق ان کا ملازم اور یہ شخص ولید آفریدی بالی جینٹری کا پروردہ لگ رہا تھا۔

اس نے بالی تین دوستوں سے اس بارے میں ذکر نہیں کیا۔ بالاکہ ملازمہ طارق کو دیکھ چکی تھی۔ اپنے نکاح کے بارے میں رہل نے ان کے آگے زبان نہیں کھولی تھی اس وقت طارق اور ولید کی مشابہت کے بارے میں پہلے کتنا ایک نئی بحث میں پڑنے کے مترادف نہ رہا۔

وہ شدت سے طارق کی آمد کی منتظر تھی۔

طارق نے اپنا ہاتھ اس کی آنکھ دس گئے قریب لایا۔ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ وہاں طارق کی سی بنیان اور نراؤ زور میں لمبوس ایک سرسبز رنگ رہا تھا۔ وہ بالی سے اخبار پیچہ تک کر اس کے قریب آگئی ہوئی۔

تمہارا ہم شکل کوئی بھائی یا رشتہ دار ہے؟

نہیں خیریت تو ہے آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟

ایسے ہی۔

طارق کو دیکھ رہی تھی۔ بالاکہ ویسی ہی وجاہت اور مغبوطی سراہا۔

اس کی ریسوچنگ نگاہیں وہ خودی کے محسوس کر چکا تھا گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔ کیا کچھ نہیں تھا طارق کی آنکھوں میں کسی بے اختیار جذبے کی لہر سے دھکتی

آنکھیں اس کا تہن ہن جلا گئیں اسے یوں لگا اگر وہ یونہی اسے تکتا رہا تو وہ موسم کی طرح پھل جائے گی۔

اگر وہ مجھے نظر لگانے کا ارادہ ہے مان لیا بہت ہندھم ہوں۔

اف کتنا زعم تھا اسے خودیہ رہل نے جینپ کر اٹھوں کا زاویہ بدلا اور انداز بھی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے میں نے تمہارا ہم شکل ایک شخص دیکھا تھا۔ اس نے اپنے کھسپے دیکھ دیکھ

میں حیران ہو رہی تھی کہ وہ بندوں میں اتنی زبردست مشابہت بھی ہو سکتی ہے۔"

"لگتا ہے بڑا اچھا لگا ہے وہ آپ کو؟" طارق اسے چھیرنے کی جسارت کر بیٹھا تو وہ تپ سی گئی۔

"میں ہی حد میں رہا کرو۔"

"میں ہی حد میں رہا کرو۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟"

"جی نہیں حقیقت بیان کر رہا ہوں جس کی طرف سے آپ نے جان کر آنکھیں بند کی ہوئی ہیں میرا اور آپ کا رشتہ ایسا نہیں ہے جسے بھولا جاسکے۔" طارق

جارحانہ تیوروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

فون کے بجنے سے کھلی۔ اسکرین پہ فاروق گیلانی کا پتھر

جھگڑا رہا تھا ریشانی کے عالم میں سٹیل آن کر کے اس نے

فون سے لگایا۔

"رہل بنیا! طارق کو اٹھاؤ میں کاتی دیر سے اس کے

کیل نمبر پر کالی کر رہا ہوں۔ اگر کسی کو نہیں کر رہا ہے

تو فوراً منیجمنٹ سے ضروری کام ہے۔" وہ پریشان اور

مکڑ مند سے لگ رہے تھے۔ فون بند کر کے رہل نے

تھکیدے نظریے سے ہولی پنک ٹائی کو دیکھا اور پھر

سائیڈ پر پڑا (ویسے اٹھا کر اوڑھ لیا۔) جوئی اس نے دروازے پہ دستک دینا چاہی وہ کھٹا

چلا گیا۔ شاید طارق لاک لگانا بھول گیا تھا۔ گزرا تینوں

محسوس ہو رہا تھا۔ دو تین بار اس کے سر ہانے کھڑے ہو کے اس نے اسے آواز دی۔ اس کے گزشتہ رشتے کے پیش نظر رہل کو اب ڈر بھی لگ رہا تھا اس نے

چھپکچھپا ہٹ کے عالم میں زور زور سے اس کے کندھے کو ہلایا تو وہ سیدھا ہوا مگر آنکھیں اب بھی بند تھیں۔

"طارق! طارق! اٹھو۔" اس نے پھر آواز دی پر طارق کے وجود میں جنبش تک نہیں ہوئی۔ رہل نے

جھک کے جوئی اس کے سینے پہ ہاتھ رکھا طارق کے ہاتھ میں اس کی کٹائی آگئی۔ اس نے تڑپ کے پیچھے

ہونا چاہا پر بے سود طارق نے اسے زوردار انداز میں جھٹکا دیا وہ اس کے پاس آگئی۔ سرخ نیند سے پو جھل

آنکھیں اس کے چہرے کے بہت قریب تھیں۔

"اتنی رات کو کیوں میرے کمرے میں آئی ہیں میں اتنا خوب صورت خواب دیکھ رہا تھا حقیقت میں تعب

سامنے آگئی ہے۔"

"دور ہو مجھ سے۔" اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔

"تایا کافون ہے تم سے ضروری بات کرنا چاہ رہے ہیں۔" وہ بجلی کی تیزی سے انہمی اور دروازے کے پاس

چلی۔

"الفت کے تقاضے کچھ کہہ رہے ہیں آپ ترسا کے جا رہی ہیں۔" اس نے پیچھے سے بانک لگائی وہ

لوکھڑاتے قدموں سے سیڑھیاں اتر کر کمرے تک آئی اور اندر گھس کر دروازے کو لاک لگایا۔

"تمہاری سرکشی کو لگام دینا ہی ہوگی۔" وہ دانت کچپا کر رہ گئی۔

امتحانوں سے فارغ ہوئے آج ایک ہفتہ ہو چکا تھا اسے اب حویلی کے لیے روانہ ہونا ہی تھا۔ تایا فاروق

گزشتہ دو دن سے اسے اپنے کی یاد دہانی کروا رہے تھے طارق سچ ہے غائب تھا وہ دوسرے کے بعد لوٹا تو

فورا رہل کو گاؤں روانگی کا بتایا مرنے کیانہ کرتی کے مصداق اسے عمل کرنا ہی تھا۔ حالانکہ موسم کے تیور

برے خراب لگ رہے تھے گزشتہ رات وقفے وقفے سے بارش ہونا شروع ہوئی تھی جس کا سلسلہ اب بھی جاری تھا۔ رحل اس کے ساتھ جانے سے بچنا چاہ رہی تھی دعا کر رہی تھی جو پلے نہ کوئی آجائے اس لیے تو وہ ایک ہفتے سے مل رہی تھی پر آج نایا نے زور دے کر ہر حال میں چھٹنے کی تاکید کی تھی۔

پورے چھ گھنٹے کا سفر تھا۔ اوپر سے طاری اسے نزع کرنے پہ تلا ہوا تھا۔ رات والے اس واقعہ کے بعد رحل نے اس سے کتنا شروع کر دیا تھا۔ صمد شکر پھر طاری نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔ "مروقا" "نوقا" شوخ جملوں کا تبادلہ کرنے سے باز نہ آتا۔

وہ لاہور کی حدود سے نکلے تو بارش نے زور پکڑ لیا۔ شام میں اندھیرے کا سماں تھا۔ طاری بڑی توجہ سے گاڑی بڑاؤ کر رہا تھا۔ رحل چونکا تھی۔

طاری کو ڈرائیونگ کرتے ڈیرہ چھٹنے سے زائد ہو چکا تھا بارش بھی اسی تواتر سے ہو رہی تھی۔ اسے اب سگریٹ کی طلب ہو رہی تھی۔ سامنے کچے راستے میں گاڑی اتار کر طاری نے روکی۔ جیب سے سگریٹ اور لائٹر نکالا۔ سگریٹ سٹاک اس نے لیے لیے تین چار کش لگا کر لیے۔ کہیں دور بجلی کڑکی تھی۔ رحل نے دونوں سمخوں کے گرد بازو لپیٹ لیے اور سر جھکا لیا۔

اس کا جسم ہونے ہوئے لرز رہا تھا۔

"کیا ڈر لگ رہا ہے آپ کو؟" مررے اسے کہتے ہوئے طاری نے ہمدردی سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"آگے آجائیں میں بھی خاموشی سے تنگ آ گیا ہوں باتیں کریں گے تو راستہ آرام سے کٹ جائے گا۔" وہ شرافت کے لہوے میں تھا۔ رحل نے ایک بے اعتبار نگاہ اس پر ڈالی اور دوبارہ نفی میں سر ہلایا۔

مگر یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وہ سال یار ہوتا۔ اس نے بڑی حسرت سے مہر عہ پڑھا اور سگریٹ پینے کے بعد دوبارہ گاڑی اشارت کر دی۔

طاری نے معمول سے ہٹ کے آج کافی تیز

رقاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ رات نو بجے وہ حویلی پہنچ چکے تھے۔

"اب شکریہ کا ایک جملہ ہی کہہ دیں پوری ذمہ داری تھے یہاں لایا ہوں آپ کو۔" جب وہ نیچے اتری نے طاری بے ساختہ بولا۔ وہ سنی ان سنی کر کے آگے بڑھ گئی۔

فاریق گیانی کے بیٹے معظم کی شادی تھی۔ تیاریاں گزشتہ مہینے سے جاری تھیں۔ روز رات کو لڑکیوں کی محفل ہمتی ڈھولک بجائی جاتی تھی مذاق ہوتا۔ رحل کو جس انجان خیریت کا ڈر تھا وہ سناٹے میں گیا۔ گھر میں اس کی لڑکی شادی کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ وہ بھی سنتی اور پریشان ہوتی۔

کیونکہ فاریق گیانی سمیت سب کا فیصلہ تھا کہ معظم کے نکاح کے دن رحل اور یاسر کا بھی نکاح ہو گا۔ شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی۔ کارڈز چھپ کے آئے تھے صرف سات دن باقی تھے طاری اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

وقت میں رحل کو اس کی مدد کی ضرورت تھی۔ وہ روز رات کو مردانے میں آیا اور کالی دیر بعد جاتا۔ وہ موقع کی تلاش میں تھی کہ کسی طرح اس سے بات کر سکے۔

معظم گیانی کی شادی کے روز یہ موقع مل ہی گیا۔

"اوہ ساری لڑکیاں چشمہ پڑیوں میں مندی بجا رہی تھیں۔ جب سجا چھیں تو رحل کو کھانا لے جانے کے لیے دے دے۔ جاتے ہوئے میزچیوں کے پاس اسے طاری کھڑا نظر آیا۔

"منسوبانغ میں پہنچو میں آ رہی ہوں۔" وہ آواز دیا کے بولے اور آگے بڑھ گئی۔

آدھے گھنٹے بعد اسے یہ موقع ملا۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا کسی نہ کسی طرح نکل کر چچی بجاتی وہ باغ میں پہنچی۔ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس نے طاری کو دیکھنے کی ناکام کوشش کی۔ درختوں کی وجہ

سے مجبور اندھیرا تھا۔ اپنی سب سے قوی پہ وہ پہچانتی کہ ناحق یہاں اسے بلوایا۔ اتنا بڑا رقبہ تھا کہاں اسے ڈھونڈتی پھر اور بھی لگ رہا تھا۔ دھیرے دھیرے قدم رکھتی وہ اندھیرے کھلے احاطے میں پہنچی تو زمین پر قدموں کی ٹھک ٹھک محسوس ہوئی کوئی بھیگا رہا تھا چوڑیوں اور پائل کے اندھیرے میں آواز بھی آ رہی تھی جو بھاگنے کے رد عمل کے نتیجے میں تھی۔ آواز قریب آتے آتے دیر ہوئی گئی اور اندھیرا کھٹک خاموشی چھا گئی قیامت خیز خاموشی۔ سناٹے میں کھڑکھڑاہٹ کی آواز گونجی اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے قریب سانس لی ہو۔ رحل کا دل اچھلنے لگا۔

اس نے اس کے قریب سانس لی ہو۔ رحل کا دل اچھلنے لگا۔ اس نے اس کے قریب سانس لی ہو۔ رحل کا دل اچھلنے لگا۔ اس نے اس کے قریب سانس لی ہو۔ رحل کا دل اچھلنے لگا۔

"طاری! آیا جان میرا نکاح کر رہے ہیں۔"

"تو میں کیا کروں؟" اس کا اطمینان قابل دیر تھا۔

"یہ تم کہہ رہے ہو میں بہت پریشان ہوں۔"

"اب کیا ہے تو بھلتی ہو خودی ہو؟" وہ گونگنہ خیز لہجے میں بولا تو رحل بھڑکی۔

"کیونکہ کیا کہوں؟ میں بہت پریشان نہیں ہے؟"

"دیکھو بات کی پریشانی آپ نے مجھے قربانی کا بکرا بنایا ہے کون سا سچ کچ کا شوہر تسلیم کیا ہے کاغذی رشتہ ہی تو ہے ہمارا بلکہ عابد ہے دونوں کے مابین ضرورت اور مجبوری کا۔ آپ نے میری مجبوریوں کا سودا کیا ہے؟"

"میں غرت کا مذاق اڑایا ہے میں ابھی آپ کو آزاد کرنا چاہتی تھی تو کرنا ہے نا، آپ آرام سے چھوٹے گھر کے ساتھ شادی کریں۔"

"آزے" ابھی نہیں ایسا غضب نہ کرنا۔ "وہ گھبرا

"کیوں پھر آپ کو دور لے چلوں۔ سب سے دور جس یا سر کا خوف نہ ہو ویسے بھی آپ کو اس نظر سے وہ اچھا نہیں لگتا۔ میں جوان ہوں ہر لحاظ سے صحت مند ہوں" لڑکیاں خود ہی افسانہ بھی دیتی ہیں شاید آپ بھی غور سے دیکھیں؟ اچھا لگتے لگاہوں۔" وہ شرارت پہ اتر آیا۔

"تمہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔"

"کمال سے یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں نہ جانے آپ کیا چاہتی ہیں لڑکیوں بھری جوانی میں یہ ہونا چاہتی ہیں۔ میں بار بار ہوں۔" وہ جانے کے ارادے سے پلٹا تو رحل نے کندھے سے بے اختیار اس کے سفید کلف لگے کرتے کو پکڑا۔ آنسو پلکوں پہ لڑنے لگے۔

"طاری میں بہت پریشان ہوں۔ جانے کیا ہو گیا۔"

"نیند آپ کے فرائض میں چھٹے بھی نہیں آتی۔"

اس سے قدرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی جو خفگی کا داغخ انہماک تھا۔

"میرا حال آپ فکر نہ کریں میں ایسے ہی تنگ کر رہا تھا۔ اب آپ جا میں کچھ سوچتا ہوں۔ زیادہ دیر یہاں رکنا مناسب نہیں ہے خواہ وہ کسی کو شک ہو جائے گا میں تو مرد ہوں بہت کچھ کر سکتا ہوں مگر آپ۔"

"وہ قصداً" کچھ بولتے بولتے رک گیا تو رحل کو اچانک ہی خیال آیا اور وہ پوچھ بیٹھی۔

"قرض کرو آیا جان میرا نکاح یا سر کے ساتھ کرنے لگتے ہیں تب تم کیا کرو گے؟"

"اگرچہ آپ نے کچھ شرائط کے ساتھ شادی کی ہے مگر تم ایک بار جس کو عزت بنالیں پھر اس کی طرف دیکھنے والے کی آنکھ ہی نکال لیتے ہیں۔" طاری کے لیے میں اتنی۔ ٹھاکہ اور سرد مہری تھی کہ رحل کی ریڑھ کی ہڈی سننا لگی۔

"اس کے جانے کے بعد طاری کچھ وزوہیں کھڑا رہا۔ سگریٹ نکال کے سلگایا زمین قدرے پرسکون ہوا تو وہ تب رہائشی حصے میں آیا۔

ہنگامہ عروج پہ تھا۔ سب اسے ہی ڈھونڈ رہے تھے مندی کی رسم کے لیے جب معظم کو اندر لایا گیا

تو وہ بھی ساتھ ہی تھا۔

زمین کی آنکھیں اسے دیکھ کر جھجکا انھیں۔

راسلک کے کرتے شلوار میں ملبوس اپنے بلند قامت سمیت وہ یہاں موجود سب لڑکوں میں نمایاں لگ رہا تھا۔ معظم کے سرال سے آئی کتنی ہی لڑکیاں اسے دیکھتی تھیں دیکھ کر ہی تھیں۔ وہ کہیں سے بھی ملازم نہیں لگ رہا تھا۔

رحل قدرے پریشان پریشان سی انگ بیٹھی ہوئی تھی۔ طارق نے اس کی کیفیت جان لی تھی۔ زمین کی خود میں بڑھتی دیکھی اسے الجھا رہی تھی۔ رحل اپنی پریشانی میں اتنی مگن تھی کہ اس نے وحیان ہی نہیں دیا۔ ورنہ زمین کے چہرے پہ کھلتے گلاب آنکھوں کی چمک لبوں کی مسکراہٹ بہت سی ان کی داستانیں بنا رہے تھے۔

پرسوں معظم کا نکاح تھا۔

رات کو تالی مرحبان نے بھاری کام سے مزین لنگا

جیو لری سمیت اسے دکھایا۔
”رحل! یہ بہن کے چیک تو کرو ویسے تو تمہارے ٹاپ کا بے ٹریچر بھی پین کے دیکھو۔“ رحل نے سب کے چہروں کو دیکھا۔ زمین نے بڑی حسرت و دلچسپی سے سامنے پڑے عروسی جوڑے پہ ہاتھ پھیرا۔ اس کے نہ جانے کون کون سے خواب اس جوڑے کے ساتھ وابستہ تھے۔ کون کون سے ارمان تھے حوصل میں دبے رہ گئے تھے۔

بے اختیار ہی اس کے ذہن میں طارق کا عکس لہرایا تو وہ شرماسی گئی جیسے وہ سامنے ہی تو ہو۔ کتنا سنگدل اور صدیوں کی بلندی پہ لگتا تھا وہ زمین کو طارق کے ساتھ پہلا تصادم اسے ابھی تک یاد تھا۔

طارق کو حوصلی آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے گیلانیوں کا اعتماد بہت جلد حاصل کر لیا تھا۔ وہ ان چند گئے نئے ملازموں میں شامل تھا جنہیں زنان خانے میں جانے کی اجازت اخیر کسی روک ٹوک کے تھی۔ وہ چھوٹی چھٹی کے کمرے میں بیٹھی عاصمہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی جب بوانے آ کے بڑی تالی کے

بلاؤ گئے گاتایا۔ وہ بیٹھ چلا اتر رہی تھی۔ اس کا دل جانے کیسے رینگ میں اٹکا۔ اپنے زور میں آگے بڑھتی گئی۔ دوڑے کا کونا اس زور کے رد عمل کے نتیجے میں جرجرایا وہ لڑکھائی۔ طارق اوپر آ رہا تھا۔ وہ پورے سے گرنے والی تھی جب طارق نے اسے اپنے بازوؤں کا ہسار بخشا۔ وہ گرنے سے توجہ بھی پر دل چوٹ کھا بیٹھی۔ بیٹھے بیٹھے سے ورد کے احساس اسے جکڑ لیا۔ خند اس دن ایسی اڑی کہ آئندہ آنے والی بہت سی راتیں اسی بے سکونی کی نذر ہو گئیں۔

بہت دفعہ اس نے طارق کے چہرے پہ ہاتھ ڈھونڈا۔ چاہا۔ ناکامی پہ جھنجھلائی۔ وہ نہ جانے کس مٹی سے تھا اثر ہی قبول نہیں کر رہا تھا اور وہ تو اپنے خدائوں زور اثر بہت دور جا چکی تھی کہ اسے یہ تجا جرات پیش کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ طارق کی جان بھی جا رہی ہے۔ یہ کتنی مشکل کی ایک تھی جس نے اس کا رویہ روک دیا تھا۔ وہ اسے دیکھتی تو راکھ راکھ ہو جاتی۔ کہہ سکتا تھا کہ طارق کو پتہ نہ چلتا۔ وہ بہت محتاط رہتا تھا۔ ایک دن بھی کڑا کے زمین پر گرا۔

”ستارہ! میں آپ کی عزت کر رہا ہوں اگر کسی پریشانی کی جان بھی جاسکتی ہے اور یہ نہیں چاہتا۔ آپ بہت اچھی ہیں وہ بحث بڑی خوب روٹی طارق پریشان ہو اٹھا۔ بڑی مشکل سے اسے بھلایا۔ ایسے احساس ہو گیا تھا کہ اب اس بیلابیلی رشتہ کو روکنا بہت مشکل ہے کسی بھی وقت۔“
”میں اس نمک حرام کا نام سننا چاہتا ہوں جس نے تمہیں۔ اوپر سے رحل کے ساتھ اس کا رشتہ دوہرا بنا دیا۔“
”میں اس نمک حرام کا نام سننا چاہتا ہوں جس نے تمہیں۔ اوپر سے رحل کے ساتھ اس کا رشتہ دوہرا بنا دیا۔“

”تالی جان! میں اس جوڑے کو نہیں پہنوں گی۔“ وہ بولی تو سب سنا لے میں آگئے۔
”اچھا یہ پسند نہیں تو چل کے اور لے لو۔“ ابھی کا دن ہے ناچ میں۔“ مرحبان دل میں تو ہنسی لہجے کو مار ل ہی رکھا۔
”میں نہ یہ اور نہ کوئی اور جوڑا لیتا چاہتی ہوں۔“

”تالی جان! میں عاقل و بالغ ہوں اپنا اچھا برا سوچ لکھ قبول نہیں۔“
”اس کے نتائج جانتی ہو کیا ہوں گے؟“
”پروا نہیں۔“
”سائیں! تمہیں جن سے مار دیں گے۔“ تالی جان غصے سے جھلکی۔

”تالی جان! میں عاقل و بالغ ہوں اپنا اچھا برا سوچ لکھ قبول نہیں۔“
”اس کے نتائج جانتی ہو کیا ہوں گے؟“
”پروا نہیں۔“
”سائیں! تمہیں جن سے مار دیں گے۔“ تالی جان غصے سے جھلکی۔

”تالی جان! میں عاقل و بالغ ہوں اپنا اچھا برا سوچ لکھ قبول نہیں۔“
”اس کے نتائج جانتی ہو کیا ہوں گے؟“
”پروا نہیں۔“
”سائیں! تمہیں جن سے مار دیں گے۔“ تالی جان غصے سے جھلکی۔

”تالی جان! میں عاقل و بالغ ہوں اپنا اچھا برا سوچ لکھ قبول نہیں۔“
”اس کے نتائج جانتی ہو کیا ہوں گے؟“
”پروا نہیں۔“
”سائیں! تمہیں جن سے مار دیں گے۔“ تالی جان غصے سے جھلکی۔

”یا اللہ کیا کروں یا سر کے ساتھ نکاح۔ نکاح جو سراسر گناہ ہے اگر میں طارق کے ساتھ نکاح کے بارے میں بتاؤں تو اس کی زندگی کی ضمانت ختم ہو جائے گی۔ وہ بھی آخر کسی گھر کا چراغ ہے کسی کی امیدوں کا مرکز ہے اس کی رگ رگ میں۔ جوانی کا خون ہے کیا زندگی کی تمنا اسے نہیں ہوگی؟ لالچ میں اس نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے پر زندگی اسے بھی پیاری ہوگی اور میں کیا اتنی خود غرض ہوں کہ اسے زندگی سے محروم کر دوں؟ میں ایسا نہیں کر سکتی مجھ میں گیلیانیوں کی جی ہونے کے باوجود یہ ہمت نہیں ہے۔ پروردگار تو ہی مجھے سیدھا راستہ دکھائے۔“ جائے نماز تشر کر کے رکعت پڑھنے لگا ایک بیٹھے پہ پہنچ چکی تھی۔

گھڑی کی ٹک ٹک گزرتے وقت کا احساس دلاری تھی۔ نیند گزشتہ چند روز سے اس کی آنکھوں سے دور تھی۔ حالات اتنے سنگین تھے کہ نیند آنے کا سوال ہی نہیں ہوتا تھا۔ معظم بھائی شادی کر کے دولہن گھرا چکے تھے اور دعوتوں میں مصروف تھے۔

کتنی کے بل نیم دراز ہو کر رحل نے وقت دیکھا۔ گھڑی کی سوئی ساڑھے دو بجے کا وقت بتا رہی تھی۔ اس نے سر ہانے براہِ پندہ اٹھا کر اچھی طرح اوڑھ چاڑھ بیڈ سے نیچے لٹکا گئے جوتے پہننے دروازہ کھولتے ہوئے اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ پھونک پھونک کے قدم رکھتی وہ طارق کے کمرے تک پہنچی۔

اس نے دروازہ ہلکے سے بجایا۔ پہلی دستک پہ ہی دروازہ کھل گیا۔ طارق سامنے کھڑا حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ اسے ہٹاتے ہوئے اندر آگئی۔
”طارق! مجھے یہاں سے لے چلو۔“
”اس وقت کہاں لے جاؤں۔“
”مجھے ماننا کہ کی طرف لے جاؤ یہاں حالات بہت خراب ہیں کچھ بھی ہو سکتا ہے میں تمہارے لیے پریشانیوں گھڑی نہیں کر سکتی کیونکہ ایسا کر۔“ تالی کے لفظ اس کے منہ میں ہی رو گئے۔

”کھلا فاروق“ سہیل اور ایاز بیٹوں سمیت اندر کھس آئے۔ اس قیامت کار حل نے تصور تک نہ کیا تھا۔ ”نہک حرام“ مجھے تمہیں کچھ دنوں سے شک تو تھا مگر اب یقین آگیا ہے میں تمہیں بھوکے کتوں کے آگے پھینک دوں گا۔“ فاروق کے منہ سے غیظ و غضب کی شدت سے گویا جھاگ نکل رہا تھا۔

”اور تم رات کو اس کے کمرے میں کیا لینے آئی تھیں؟“ فاروق نے طارق کے پیچھے کھڑی رہ کر اپنی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اے چھوڑ دیں۔“ طارق کا اطمینان قابل دید تھا۔ فاروق نے سہیل کو اشارہ کیا اس نے ملازموں کو آوازیں دیں۔ اس شور شرابے سے سب ہی بیدار ہو گئے۔ طارق کے کمرے میں جمع لگ گیا تھا۔

”تم کارواں پر یہ کاری ہے۔“ فاروق نے طارق اور راحل کی طرف اشارہ کیا۔ ”کتے کی موت ماروں گا دنوں کو۔“

خالد، انور اور ماجد مالکوں کے اشارے کے منتظر تھے۔

”لے جاؤ اے۔“ سہیل نے طارق کی طرف اشارہ کیا۔ ٹھکان میں سے کسی نے بھی حرکت نہ کی تو فاروق کو ٹیش آگیا، وہ راحل کو مارنے کے ارادے سے رہا اور نکالنے لگا۔ اس نے پہلے کہہ دیا اپنے ارادے پر عمل کرتے طارق نے بھی رہا اور نکال لیا۔

”اے آپ ہاتھ نہیں لگا سکتے کیونکہ یہ میری بیوی ہے۔“ اس نے جیب سے نکاح نامہ نکال کر سامنے فاروق کی طرف پھینکا۔ ”انور اور خالد انہیں میری گاڑی میں بٹھاؤ ہم ابھی یہاں سے نکل رہے ہیں۔“ اس کا اشارہ راحل کی طرف تھا۔ جس کا چہرہ دھلے لمٹنے کی مانند سفید ہو چکا تھا۔ خالد اور انور کے ہاتھوں میں جی آتشیں اسلحہ جک رہا تھا۔

فاروق گیلیائی کو عین وقت پہ ملت ہو گئی تھی ان کے اپنے ملازموں نے دھوکا کیا تھا۔ طارق نے ہی تو درخواست کی تھی کہ انہیں بھی اپنے ہاں رکھ لیں یہ آپ پہ جان واردیں گے اور ایسا ہی ہوا تھا کیسا ہی وقت

آتا وہ بیٹوں آگے آگے ہوتے مگر آج ان کی وفاداریاں طارق کے ساتھ تھیں۔ دو کتے کے طارق کے ساتھ جسے انہوں نے دو سال پہلے ملازم رکھا تھا۔

”فاروق گیلیائی! میں ذکاوت اور فریدی کا بیٹا ہوں ولید طارق آفریدی۔“ اس نے ان سب کے حواسوں پر ہلکا ہلکا ”تم حویلی والوں کی عزت نے رانسی خوشی“ سے نکاح کیا ہے میں اسے ساتھ لے جا رہا ہوں راحل بچاؤ ایسا نہ کر سکتے تھے میں نے ان کی بیوی سے آج اپنا عہد پورا کر دیا ہے فاروق گیلیائی کی بیٹی راحل افتخار گیلیائی ولید آفریدی کے نکاح میں آچکی ہے یہ میری بیوی ہے۔ اب میں اس پر اپنا تصرف کر رہا ہوں۔“

لانا سے قوت مل لیں کیونکہ آئندہ آپ اس کی شکل میں دیکھ سکیں گے۔“ ولید طارق کا لہجہ سرد اور کھڑکھڑا تھا۔ زمین کا دل نہ ہونے کے مترادف تھا۔ اس سے نکاح کیا تھا۔ طارق کے حوالے سے شمارے نازک احساسات اس وقت بھاپ بن چکے اڑ چکے تھے۔ کیا کر رہی تھی راحل۔

انور اور خالد نے اپنے حویلی کے دروازے پر کھڑے ہو کر دیکھا۔ طارق نے فون کر کے اور جانثاروں کو بھی بلا لیا تھا کیونکہ گیلیائی کچھ بھی کر سکتے تھے۔

طارق نے راحل کو بھگوانت باں سے نکال لیا۔ اب گاڑی میں بیٹھ کر منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ اتنے بڑے واقعے کی وجہ سے راحل بری طرح خوفزدہ تھی۔ طارق نے منزل پہنچنے کے بعد راحل کو بتایا کہ وہ اس کے ساتھ ہی رہے گی۔ انور اور خالد اس کے ساتھ ہی رہیں گے۔ انہوں نے ان کے ساتھ ہی رہنے کی بات کہی۔ ان کے ساتھ ہی رہنے کی بات کہی۔ ان کے ساتھ ہی رہنے کی بات کہی۔

”کہیں تو اتنی ہمت دکھا رہی تھیں اور اب چیزیاں طرح سمجھتی ہو۔“ وہ اسے سنبھالتے ہوئے بڑبڑایا۔

انور اور خالد اسے اپنے بیداروں میں لٹایا اور فضل دین کی بیوی کو آواز دی۔

”اس کا خیال رکھنا یہ بے ہوش ہے جب طبیعت سنبھلے تو مجھے بتانا۔“ وہ دلیات سے کہہ کر خالد اور انور کی طرف آیا۔ ان سے تازہ صورت حلال معلوم کرنا

”ہمارے بندوں نے خوب مقابلہ کیا۔ جیل اور بلو تھوڑا زخمی ہو گئے ہیں باقی سب ٹھیک ہے۔“ گیلیائی مالکوں کی طرح اپنی بوٹیاں نوچتے رہیں گے۔“ خالد نے بولا۔ طارق کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسی لمحہ میں فضل دین کی بیوی گھبرائی ہوئی اس کے پاس آئی۔

”جھولی بی بی زور زور سے رو رہی ہیں میں نے تسلی دی پھر بھی وہ چپ ہونے میں ہی نہیں آ رہی ہیں۔“

”اچھا تم جاؤ اپنا کام کرو میں دیکھتا ہوں۔“ اس نے بستر پر نکال کے سامنے میز پر رکھی اور جیکٹ بھی اتار دی۔

”مگر آپ اجازت دیں تو میں حویلی میں یہ خوشی کی باتیں سن سکتا ہوں۔“ خالد تھا۔

”نہیں ابھی نہیں میں خود بتاؤں گا تم اپنا بندہ کر لیں۔“ خالد نے اثبات میں سر ہلایا۔

راحل کی کھنسی کھنسی سکریں کی آواز بیداروں کے حوالے سے شمارے نازک احساسات اس وقت بھاپ بن چکے اڑ چکے تھے۔ کیا کر رہی تھی راحل۔

انور اور خالد نے اپنے حویلی کے دروازے پر کھڑے ہو کر دیکھا۔ طارق نے فون کر کے اور جانثاروں کو بھی بلا لیا تھا کیونکہ گیلیائی کچھ بھی کر سکتے تھے۔

طارق نے راحل کو بھگوانت باں سے نکال لیا۔ اب گاڑی میں بیٹھ کر منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ اتنے بڑے واقعے کی وجہ سے راحل بری طرح خوفزدہ تھی۔ طارق نے منزل پہنچنے کے بعد راحل کو بتایا کہ وہ اس کے ساتھ ہی رہے گی۔ انور اور خالد اس کے ساتھ ہی رہیں گے۔ انہوں نے ان کے ساتھ ہی رہنے کی بات کہی۔ ان کے ساتھ ہی رہنے کی بات کہی۔ ان کے ساتھ ہی رہنے کی بات کہی۔

”کہیں تو اتنی ہمت دکھا رہی تھیں اور اب چیزیاں طرح سمجھتی ہو۔“ وہ اسے سنبھالتے ہوئے بڑبڑایا۔

انور اور خالد اسے اپنے بیداروں میں لٹایا اور فضل دین کی بیوی کو آواز دی۔

”اس کا خیال رکھنا یہ بے ہوش ہے جب طبیعت سنبھلے تو مجھے بتانا۔“ وہ دلیات سے کہہ کر خالد اور انور کی طرف آیا۔ ان سے تازہ صورت حلال معلوم کرنا

آپ کو دوسرا کمرہ دکھانے کی۔ میں آپ سے بات بعد میں کروں گا۔“ وہ جوتے اتار رہا تھا۔ اس کے لیے گویا یہ سب کچھ تاریک رومین کا حصہ تھا۔ رات والے واقعے کو چند گھنٹے ہی تو گزرے تھے پر طارق پر سروس کا اثر نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ خوش اور نازاں تھا۔ خوش کیونکہ نہ ہو یا آج اتنے بڑے بعد بدلے جو ملے لیا تھا۔

شام چار بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو بحرور غنید کے بعد وہ تازہ دم تھا۔ پہلے بابا جان کو فون کر کے سارے واقعات گوش گزار کیے۔

”تم فوراً واپس آؤ۔“ انہوں نے اس سے کہا۔

”بابا جان! فی الحال آپ تجھوڑا انتظار نہیں کر سکتے! نہیں اب انتظار کی تلک نہیں ہے۔“

جتنا جلدی ہو سکے آؤ وہاں تم محفوظ نہیں ہو۔“

”بابا جان! آپ فکر نہ کریں میں کوئی ایسے ہی نہیں بیٹھا ہوں۔“

”ٹھیک ہے پھر بھی احتیاط کرو۔“ انہوں نے فون بند کرتے ہوئے پھر اسے یاد دہانی کرائی تو اس نے باہر نکل کے نذیراں کو آواز دی۔

”جی چھوٹے مالک۔“ وہ اس کی آواز سن کر باورچی خانے سے نکلی۔

”راحل کو میرے پاس بھیجو۔“ وہ کہہ کر پلٹ گیا۔

نذیراں نے اس کا حکم راحل تک پہنچایا۔ وہ شارڈلے کراچی ابھی ہاتھ روم سے نکلی تھی۔ جسم پہ کل دالے کپڑے تھے۔

کیسا وقت آگیا تھا۔ کل تک وہ اس کے حکم کی تعمیل میں اس کے پاس آتا تھا اور آج وہ اس کے اشارے کی منتظر تھی۔ قدرت کی اس قسم ظریفی پہ اسے ہنسی آگئی۔ وہ کینے بالوں میں کٹکھنسی کر رہی تھی جب پورچ میں گاڑی رکھنے کی آواز آئی اس نے گلاس وینڈو سے جھانکا۔ ریڈ ہنڈا اکاڑٹے سے وہی ہوٹل والی حسینہ جسے راحل نے سونمنگ پول کے پاس طارق

کے ساتھ دیکھا۔ نگں رہی تھی۔ خوب صورت لڑکیاں اس نے بہت ساری دیکھی تھیں مگر اس کی دلکشی غضب کی تھی تب ہی وہ رحل کے ذہن کے گوشوں میں محفوظ تھی۔

”نہ جانے یہ اس کی کیا لکٹی ہے شاید کوئی دوست یا پھر اس کا قیاس کرتے کرتے وہ رک گئی نہ اب وہ جانے جائے۔ ہاں اور میں کی کیفیت میں لنگ رہی تھی وہ۔“
نذیراں نے دوبارہ طارق کا پیغام پھنپایا تو اسے ڈرا تنگ روم کا رخ کرنا ہی پڑا۔

صوفے پہ طارق اور وہ لڑکی پاس پاس بیٹھے تھے۔ اس نے باہر دروازے سے جھانک کر ہی اندر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس کے بعد وہ لا شعوری طور پہ بلاوے کی خنجر رہی۔ پریا یوسی ہی ہوئی۔ وہ بڑھ چکی تھی۔ نذیراں نے اسے یوہمی چکر کا شکار دیکھا تو چائے کا پوچھ بیٹھی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

وہ لڑکی ڈیڑھ دو گھنٹے بعد رخصت ہوئی۔ تب طارق کو پھر رحل کی یاد آئی۔

”نذیراں! رحل کے ساتھ کیا ہو گیا؟“
دیکھا مگر وہ کیسے نظر نہیں آ رہی تھی۔

”اپنے کمرے میں ہیں۔“
”اسے فوراً میرے پاس بھیج دو میں انتظار کر رہا ہوں۔“

وہ قطعیت سے کہتا ہوا اسے بھیج دیا۔
رحل نے ہچکچاتے ہوئے کمرے کے دروازے پر ہاتھ رکھا۔

دستکدی تو اندر سے اس کی آواز آئی۔
”آج میں کھلا ہوا ہے۔“ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھی۔ وہ صوفے پہ بیٹھا ریموٹ کنٹرول

تھامے چینل سرخنگ میں مصروف تھا۔
”میرا پیلا پیغام کس وقت ملا تھا؟“ یہ نہیں اس نے طنز کیا تھا اب پوچھا تھا۔ وہ چپ رہی۔

”میں نے تجھے پوچھا ہے؟“ اب کی بار وہ رعب سے بولا تو وہ گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو غور سے دیکھنے لگی۔ طارق کو نہ جانے کیوں ہنسی آگئی۔

”اب تو منہ میں زبان ہی نہیں ہے۔“ خیر سفید حویلی چلنے کی تیاری کریں آپ کی سسرال ہے وہ لوگ نئی

دولہن کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔“ اس نے اسے دیکھا۔
دولہن پہ زور دے کر کہا۔ رحل کے دل میں کوئی ہلچل نہیں تھی البتہ وہ پریشان ضرور ہو گئی۔

”آپ بھول رہے ہیں کہ میں نے نکاح حویلی سے فالمانہ رواجوں سے بچنے کے لیے کیا تھا اب وہ مجبوراً نہیں ہے۔“ اس نے نہیں پتہ تھا کہ اس لسنے نے کس جذبے کے زیر اثر کہا۔

”آپ کس دنیا میں رہتی ہیں میں ولید آفریدی ہوں جہاں دشمنی کی پرورش اولاد کی طرح کی جاتی ہے۔“
راحیل چچا کا گولیوں سے چھلنی جسم آج بھی پایا جان رہا تھا۔ بھول نہیں سکا ہے داد کو کتنے عرصے تک نہیں ہی نہیں آیا کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہیں وہ پلکیں بچھائے ان کے دل میں اس کے انتظار میں رہیں کیونکہ چچا کہتے تھے وہ اپنی دو لکٹیوں کو لے کر جارہے ہیں میں پورے پلان کے ساتھ آپ کی حویلی میں داخل ہوا تھا۔

اب ہم دیکھیں گے کسی کا پھر روزند کے کون سی خوشی حاصل ہوئی ہے فتح کے شہر کو جانے کا حق

ایک ملازم کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اب وہ بے کام مقام ہے حویلی کے مردوں کے لیے اور آپ کا کیا خیال ہے

میں آپ کو یوہمی آواز کر دوں گا اتنی آسانی سے۔“
وہ اس کے متقابل کھڑا تھا۔ رحل کو جھنجھری سی آواز

”میں۔“ ایک بار جو ہمارے قبضے میں آ گیا وہ پھر ہماری قید سے آزاد نہیں ہو سکتا چاہے جتنا زور لگالے اور پھر

آپ تو ہماری ضد ہیں۔“
”آپ نے تو کہا تھا کہ آپ مجھے چھوڑ دیں گے۔“

مجھے آپ کی حقیقت کا پتہ نہ تھا ورنہ میں بھی ایسی غلطی نہ کرتی۔“

”خیر اب تو پتہ چل گیا ہے تاکہ میں آپ کا معمولی سا ملازم نہیں ہوں جس کی ہر وقت آپ تذلیل کرتی

تھیں۔ اس کی سزا الگ سے ملے گی۔“ وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ رحل نے نظر جھکا لیا۔

2007 مارچ 90

شاندار سے ڈرائنگ روم کے درمیان کھڑی وہ شکل سے ہی ہراساں لگ رہی تھی۔ نوجوان لڑکیاں اور عورتیں بڑے اشتیاق سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ پھر اس کا سامنا طارق کے بابا بچا اور تباہ سے ہوا۔ ذکاوت الدین نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ باقی سب بھی اچھے طریقے سے ملے تھے۔ طارق نے جو دشمنی و انتقام اور بدلے کی رٹ لگائی ہوئی تھی اس کی کیفیت ڈھونڈے سے بھی اسے کسی کے چہرے پر نہیں ملی۔

”ولید نے تم سے نکاح کیا ہے۔“ راحیل کے خواب تو ٹوٹ گئے تھے پر ولید نے ہمارا مان بھرے برعہا دیا ہے۔ عورت ہمارے ہاں قابل عزت تصور کی جاتی ہے۔ ہم نے کبھی اپنی ماں بہن اور بیٹی کو منفی روایات کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیا۔ ان لوگوں نے اپنی بیٹی کا رشتہ ہمارے بھائی کو نہیں دیا مبارک اس کی شادی کر کے اسے اس کا حصہ بھی بنائے تب ہی اسے ناکرہ جرم کی بھینٹ چڑھایا گیا۔ سزا راحیل کو بھی ملی۔ مجھے شروع میں پتہ نہیں چلا کہ ولید یہ سب کر رہا ہے جب مجھے خبر ہوئی تو بات بہت آگے تک چلی گئی تھی ناچار ہم بھی چپ ہو گئے۔ تم ہمارے لیے مانیہ صبا اور ثناء کی طرح ہو۔ ہم دشمنی کی روایات توڑیں گے اور کیا حرج ہے اگر تقاضا تم سے ہو۔“ وہ خیرت سے منہ کھولے آنکھیں میچاڑے دم بخود ذکاوت الدین آفریدی کو بولتے سن رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ طارق نے اسے حویلی سے لاتے وقت جیسی عذیب و غضب کا مظاہرہ کیا تھا اس سے اس کے ذہن میں طارق کے خاندان کی ایک تصویر سی بن گئی تھی جو اس کے اپنے خاندان سے زیادہ مختلف نہیں تھی پر یہاں تو بڑی معقولیت کا ثبوت دیا گیا تھا شاید یہ بھی کوئی دھوکہ یا فریب تھا کیونکہ وہ اس وقت افتخار گیلانی اور اپنی ماما کی جائیداد کی واحد وارث تھی۔ اور اسے پتہ تھا ان خاندانی لوگوں میں دولت و جائیداد خون کے رشتوں سے زیادہ اہم ہوتے ہیں طارق نے نکاح کے وقت کتنے لالچ کا مظاہرہ کیا تھا۔ رحل نے منہ مائلی رقم اسے دی بھی پھر بھی اسے ڈرا کر بلیک میل کرنے کے چکر میں تھا۔ اس

ولید کی کزن نے اسے اس کے کمرے تک پہنچایا۔ رات بہت ہو گئی تھی۔ اس ہنس کبھی طبیعت والی لڑکی کا نام مانہ تھا۔ طارق کے چچا کی بیٹی۔ اسے ساری لڑکیوں ہی اچھی لگی تھی۔ بااخلاق اور شمع۔ سب کی تعلیم یافتہ اور با شعور رحل کو ان پر رشک سا آ گیا۔ اپنی حویلی کے کچھ کچھ ماحول کے برعکس طارق کی کزن زہرا اعتماد اور تعلیم یافتہ تھی۔

کل اور آج کا دن بہت ہنگامہ خیز تھا۔ وہ کہاں سے کہاں آگئی تھی۔ اس کے پیچھے حویلی میں جانے کیا ہو رہا تھا۔ اس نے کتنا برا قدم اٹھایا تھا اس کی شگنی کا احساس اسے اب بھی رہا تھا۔

حویلی کی کسی لڑکی نے اتنی جرات کا مظاہرہ نہیں کیا ہو گا جتنا یہی نے کیا تھا۔ دشمنوں کے پاؤں اٹلے گیلا پھول کی عزت رو نہ دی تھی۔ طارق کے ساتھ نکاح کر کے ان کے غرور کو توڑ کر آفریدیوں کا مان برعہا تھا۔

”اس کے بچے میں شے ہے۔“ یہی اس کے چچا نے کہا تھا۔ روئے ہوئے اس کے شکوہ کیا۔ ”پتہ نہیں میں یہاں سے بھی سکون کی کہ نہیں۔ ولید طارق کے بیورو اسے بچاؤ کے والے نہیں تھے وہ لاپٹی شخص یقیناً“ اس کی جائیداد بھٹکانے کے چکر میں تھا۔ اس کی پریشانی فطری تھی۔

”کاش میں ایسا نہ کرتی اس شخص نے مجھے وہاں سے لاتے ہوئے جو ہنگامہ مچایا ہے ماما ابو اور بائی سب برا فروختہ ہوں گے کیا کر دیا میں نے یہ اگر میں اپنے خاندان والوں کے ہاتھ لگ جاؤں تو جانے کیا ہو گا؟“ آگے کہنا اور پیچھے کھائی والی بات سے کہیں زیادہ نجات نہیں ہے جس نے پوری پلاننگ کے ساتھ یہ سب کیا ہے ایسے ہی تو نہیں کیا ہو گا یقیناً“ میرا انجام بھی اس کے ذہن میں ہو گا۔ میں یہاں ان کی قیدی ہوں۔“ منی سوچیں اس کے دماغ کو جھلسائے دے رہی تھیں۔

رحل کو ولید طارق کے گھر آئے ساتواں روز تھا اس دن کے بعد سے وہ اسے یہاں نظر نہیں آیا تھا اور خود سے پوچھنے کی ہمت اس میں بھی نہیں۔ وہ سفید حویلی والوں کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سفید ماربل سے بنی یہ پر شکوہ عمارت سفید حویلی کھلاتی تھی۔ چار بھائیوں کی اولادیں یہاں اکٹھے رہا کر رہی تھیں۔ مزاج سب کے سمجھے ہوئے لگتے تھے لیکن درپردہ مکین اپنی خاندانی عظمت کے نشے میں چور بھی تھے۔

وہ بھڑکے باغی ہو چکے تھے تو بونیاں کر کے چیل کر گودن کو اپنے ہاتھوں سے کھلاؤں۔ اس نے برسوں کی عزت کو پاؤں تلے روندنا ہے سر جھکا کر دیا ہے اس نے ہمارا سب کچھ منی میں ملا دیا ہے۔“ فاروق گیلانی غصے سے چلا رہے تھے۔

”ماما ابو زیادتی ہماری بھی تو ہے رحل بڑھی لکھی ہے۔“ پھر ابو اس کا جوڑ کھینچ کر اسے صدمہ کی جو باتوں سے خبردار کیا۔ ”اس نے تمہاری عزت کو پاؤں تلے روندنا ہے۔“ لاکھ سنبھلنے کی پر وہ خاموش نہ ہوئی۔ جبر کی حد نہیں ہوتی پر کہیں نہ کہیں اسے رکنا تو پڑتا ہے اور رحل کا یہ قدم اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔“ وہ بے خونی آگے بولی تو فاروق اسے دیکھنے لگے۔ ان کا شمار اغرو پائی بین کے ہمہ جاک تھا۔

”آج رحل نے تولیہ اٹھائی تھی کل کوئی اور لڑکی بھی اس کے پیش قدم پہ چل سکتی تھی اس نے تو سارا منصوبہ ہی چوٹ کر دیا تھا۔ وہ اس کی تمام جائیداد اپنے قبضے میں کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے اس کے لیے ہر آدمی نے کتنا شاندار اور بے دریغ منصوبہ تیار کیا تھا۔ ہتھکڑیاں بھی مر جائے اور لاکھی بھی نہ ٹوٹے۔ اگر وہ آغاز سے ہی طارق کی حقیقت پالنے تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔“ انہوں نے اسے جاننا مددگار کے طور پر رکھتے ہوئے ایک منٹ کے لیے اس کے بارے میں چھان بین کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ آنکھیں بند کر کے

اختیارات اسے اتالیق کر دیئے وہ بعد میں اور ساتھیوں کو بھی لے آیا۔ وہ پھر بھی نہیں سمجھے حالانکہ وہ کتنے زیرک اور معاملہ فہم تھے ان خیال تھا کہ طارق کی مدد سے وہ رحل کی جائیداد کے مالک بن سکیں گے۔ انہوں نے اس صورت میں طارق کو بھی مالا مال کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ وہ بھی انہیں بہلا تا رہا اور وہ بھلتے رہے۔ کتنے آرام سے ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ کتنی کڑی شکست ہے وہ چار ہوئے تھے۔

راحیل اور مو کو تو انہوں نے مار دیا تھا۔ پھر رحل کے لیے انہوں نے کتنا گھناؤنا منصوبہ تیار کیا تھا۔ یہ ذلت سے بدنامی یہ رسوائی کہیں اس کا رد عمل تو نہیں تھی۔ کہیں کسی کی آواز نہیں گئی تھی؟

وہ پہلی بار نمبر کی عدالت میں کھڑے ہوئے تھے اور یہ سب انہیں بڑا تکلیف دہ لگ رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار ان کے بیٹے شہزاد گیلانی نے ان کے فیصلے کی مخالفت کی تھی۔ وہ اعلا تعلیمی اداروں کا تہذیب یافتہ تھا۔ بڑے آرام سے کہہ دیا۔

”دس ازناٹ فیر۔“ اس کا کہنا تھا اگر وہ رحل کی جگہ ہوتا تو وہ بھی شاید ایسا ہی کرتا۔

وہ طارق کے نیل نمبر گزشتہ دو روز سے زانی کر رہی تھی پر وہ کل اینڈ ہی نہیں کر رہا تھا۔

”جانے کہاں مرا ہوا ہے۔“ رحل نے جی ہی جی میں اسے کو سا اور پھر شرمندہ سی ہو گئی کیونکہ اس نے ہمیشہ رحل کو عزت سے مخاطب کیا تھا۔ اس نے کوئی ایسی حرکت کبھی کی ہی نہیں جو اسے دشمن ثابت کرنی ہو۔

وہ شام سو کر انہی تو باہر سے باتوں اور قصوں کی آواز آرہی تھی۔ سامنے لان میں طارق کزنز کے گھرے میں تھا۔ سب ہنس بول رہے تھے۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ اس کا جی جل سا گیا وہ نمبر ملاتے ملاتے تھک گئی اور وہ جانے کب سے آیا ہوا تھا۔ ثانیہ نے

اسے سامنے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

"اور میری آجائیں۔" ثانیہ طارق کے چھوٹے پتھار کی بیٹی تھی۔ رطل کی کچھ کچھ اس سے دوستی ہو چلی تھی۔ ثانیہ بولتی تھی اور بے تحاشا بولتی تھی اس کی اس عادت نے رطل کو پورے اور محض کے احساس سے بچایا تھا۔

صبا اور عائشہ بھی پھولوں کے سنج کے پاس دھرتا مارے بیٹھی تھیں۔ رطل قصداً ان کی طرف آئی۔ جانے کیوں اسے طارق کا سامنا کرنے سے خوف آنے لگا تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ سب کچھ جھین کر اسے بے بس کر دے گا۔

"او بیٹھو۔" صبا نے جبکہ بنا کر اسے دعوت دی۔

"کیا ہو رہا تھا؟" دو دھیان بنانے کی غرض سے بولی۔

"کپڑے ساکٹ کر رہے تھے۔"

"کس لیے؟" اس نے دیکھی دیکھا۔

"ولید بھائی کی شادی کے لیے۔"

"کیا؟" وہ ہنسی سی نظر آنے لگی تھی۔

"جی ہاں پتھا کہ رہے ہیں جنسی جلدی شادی ہو جائے اچھا ہے میرا مطلب ہے صرف رخصتی ہی تو ہونی ہے پھر ولید بھائی پہ لڑکیوں کی بڑی نظر ہے۔ خاص طور پر ان کی فریڈ سونیا ہے چاری تو کوڑے کوڑے ان کے عشق میں ڈوبی ہوئی ہے۔" عائشہ باری تھی اور اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔

اسے پتا تھا اس مرحلے سے بھی اسے گزرتا ہے مگر یہ آتی جلدی آئے گا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

آئندہ آنے والے دو دنوں میں گھر میں شادی والی گھبراہٹ بھی نظر آنے لگی تھی خریداری عروج پہ تھی۔ رطل پریشان تھی آخر ہمت کر کے طارق کی ای جو عرف عام میں چھوٹی بیگم کہلاتی تھیں ان سے کہہ بی دیا۔

"میں ابھی ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں۔" کہتے کہتے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

کہ تم اور وہ ایک دوسرے کو بے پناہ چاہتے ہو۔ اس لیے تو اس نے یہ خطرناک قدم اٹھایا جس کی وجہ سے دو خاندانوں کے مابین دشمنی کی لہج اور بھی وسیع ہو گئی ہے تمہاری کوشش تو یہی ہے کہ یہ سلسلہ ختم ہو جائے۔ انہوں نے اسے صوفے پر اپنے پاس بٹھا کر آنسو صاف کیے رطل کے لیے یہ اطلاع تھی کہ وہ اور ولید طارق ایک دوسرے کو چاہتے ہیں جانے اس نے کیا کیا کمائیاں سار کھی تھیں۔ کیا سچ جھوٹ بولے تھے۔

"بڑے کوشش کر رہے ہیں صلح صفائی کی۔ ایک جگہ کل جائے گا حویلی میں دعا کریں صلح ہو جائے گی۔" ولید کہہ رہا تھا اگر صلح ہو گئی تو ہمارے لیا کی بیٹی کا رشتہ ٹانگ لیں گے۔ اس کے لیے اسی نے سب کو مجبور کیا ہے۔ ولید میرے خیال میں اس کی تجویز کالی اچھی ہے۔ بس اس نے جو یہ قدم اٹھایا ہے وہ ذرا کڑوا ہے اس کی وجہ سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور تم نہ روؤ۔ ولید نے روتے دیکھا تو ریشم ہو گاتے رہیں ہو گئے ہیں۔

اس نے دلوں سے اندور میں مناسبات کیسے اپنا دیا ہے اور یہ بڑی بات ہے اور نہ سل در سل دشمنی کے سلسلے میں ایک عورت کی جو درست بنائی جاتی ہے اس سے تم بھی واقف ہو گئی۔ رطل! میں چاہتی ہوں عورت کا استحصال ختم ہو جائے اور اس کا آغاز تم سے ہو گا تم مضبوط بنو اور والا سب بچھڑ کرے گا۔ اسے تو یہ مشکل نظر نہیں آتی تھی۔

دونوں ہاتھ تھام لیے۔

وہ ان کا دل رکھنے کو روتے روتے مسکرا دی۔

"مجھے آپ نے ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے جو ہنسی فون آن کر کے کان سے لگا دیا رطل نے سلام کیے بغیر کام کی بات کی تو وہ ہنس پڑا۔

"ذرا بچھڑے کیے گا آپ۔ کیونکہ آپ کی زبان

تھیں اپنے لیے یہ احترام بھرا انداز تھا لب بھرا زبردست لگ رہا ہے۔" وہ ایک بار پھر اس کی بات کو خاطر میں نہیں لا رہا تھا۔ "ضروری بات اب آپ کو اپنے بندہ میں دھن بنا کر لانے کے بعد ہی ہوگی۔"

"نہیں بن رہی میں دلہن" دعو کو ہوا ہے میرے ساتھ بے ایمانی کی ہے آپ نے۔"

"کون سی بے ایمانی؟ کون سا دعو کو؟" وہ غضب کا ادا کار تھا کتنا انجمن بنا پوچھ رہا تھا۔

"آپ کے اور میرے درمیان ایک معاہدہ کے تحت نکاح ہوا تھا آپ خواہ مخواہ رخصتی کا ڈرامہ نہ چاہنا چاہ رہے ہیں۔ میں معاہدے کی رو سے باقی رقم آپ کو دینی ہوں براہ مہربانی آپ مجھے آزاد کر دیجئے میں دشمنی کے اس سسٹم کا حصہ نہیں بننا چاہتی۔ آپ نے میرے ذریعے انتقام کا عمل پورا کیا اس کے بدلے میں باقاعدہ پانچ لاکھ کے ذریعے حویلی میں داخل ہوئے سب بچھڑ گیا۔ میری بد قسمتی جو وہاں سے نکلنے کے لیے آپ کو بلاتا اور آپ نے سب میں مشہور کر دیا کہ میں بھی آپ سے بچھڑ گئی ہوں اور آپ کی بد قسمتی چلا آئی ہے۔"

بھی ہو جائے اس کے لیے میں آپ کو منہ مانتی ہوں۔" وہ بے گناہ لہجے میں کہتی تھی۔

"میری بھی ایک بات سننی چاہیے شادی کرنی ہے تو تمہارے ساتھ ہی کرنی ہے پتھا ہے کچھ بھی ہو جائے اور تمہارا بچھڑنا میری بد قسمتی کے بدلے میں سب کچھ خرید سکتی ہو میں بھی کسی سے کم نہیں ہوں۔ آئندہ مجھے رشتہ پیش نہ کرنا ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"اس سے زیادہ کیا برا ہو گا جو میرے ساتھ ہو رہا ہے؟" وہ ہنسی۔

"تمہاری ساری باتوں کا جواب مناسب موقع پر دوں گا۔" آخری فقرہ کہتے ہی اس نے فون منقطع کر دیا۔ رطل غصے سے بل کھا کے رہ گئی۔

راحیل کو مہو پہلی اتفاقی ملاقات کے بعد ہی بہت

اچھی لگنے لگی تھی۔ اس نے بتا دیا تھا کہ اس کی بات اپنے سے نو سال چھوٹے خالہ زاد کے ساتھ ملے جب مہو میں محبت نے بے پناہ طاقت بھری تھی۔ اس نے گھر میں کہہ دیا مجھے عمر سے شادی نہیں کرنی۔ ادھر سے راحیل نے اپنے بڑوں کو رشتہ لینے بھیج دیا اس بغاوت کا سر کھٹا ضروری تھا۔ مہو راحیل سے ملنے نکلی۔ فاروق نے نگرانی سخت کر دی تھی۔ جو ہنسی وہ حویلی سے نکل کے راحیل کے پاس پہنچی۔ ادھر سے فاروق بھی سب بھائیوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ کچھ کھانے کے بعد بغیر فاروق نے ریو الوور نکل لیا پہلی گولی انہوں نے مہو پہ چلائی اور پھر چلاتے چلتے گئے۔ یہی حال راحیل کا ہوا۔ اس کی خون میں ڈوبی لاش سفید حویلی پہنچی تو کھرام برپا ہو گیا۔ بی بی جان اسے بے پناہ چاہتی تھیں حواس ہی کھو بیٹھیں۔ ایک عرصے تک وہ اسی کیفیت میں رہیں ولید طارق یہ داستان سننے سننے بڑا ہوا تھا۔ انتقام کے شعلے اس کے سینے میں بھی بھڑکتے۔ بی بی جان اب بھی راحیل پتھا کو یاد کر کے روتی تو ولید غمگین کر آتا گیا انہوں کو مزہ چکا کر رہے تھے۔ اور پھر اس کا موقع بھی مل گیا۔

وہ ذرا یور کے ساتھ گاؤں جا رہا تھا۔ راستے میں طویل دور یہ سڑک آئی تو ذرا سیڑھ بنے بتایا کہ یہ سڑک گیلانیوں نے اپنے لیے بنوائی ہے۔ اس کے اختتام پہ حویلی تھی۔ بس یہیں سے اس کا ذہن بدل گیا۔ سارا منصوبہ بھی ترتیب پا گیا۔

اس سے اگلے تین دن اس نے سوچ بچار میں گزار دیے تھے۔ چوتھے روز معمولی سے کپڑوں اور تبدیل چلے میں دو گیلانیوں کی حویلی آ گیا۔ سامنا فاروق گیلانی سے ہوا۔ اس نے خود کو دروازہ گاؤں کا باسی ظاہر کیا اور کہا کہ زمین کے تنازعے پہ اس کا خاندان مارا جا چکا ہے صرف چند ایک عزیز رشتہ دار بچے ہیں اور وہ جان بچانے کے لیے یہاں چلا آیا ہے۔ فاروق کو اس کی کہانی نے برا مٹا کر کیا۔ پھر بہت جلد اس نے فاروق کا دل جیت لیا اور پروانے کی طرح ان کے گرد گھومتا ہاتھ باندھے حکم کا شکر ہوتا۔ فاروق نے اسے اپنے ذاتی

ہو جاتے تو وہ سبھی ہونی بہنی کی طرح بد کسب دکھائی دیتے۔
اس سے بچنے کی کوشش کرتی۔

اور پھر فاروق گیلانی کی گندی فطرت نے ایک روز تو
خند کر دی۔ رات کے وہ ڈھلکی بجے رطل کو فون کر کے
چنگایا اور بولا کہ وہ ان کا فون ریسیو نہیں کر رہا اسے جا
کے اٹھاؤ ان کے منصوبے کے لائحہ عمل وہ طاروق کے
بڑے دوست تک آگئی اس روز اتفاق ہی تھا کہ اس نے
دروازہ لاک نہیں کیا تھا۔ فاروق گیلانی نے طاروق کو
فون کر کے بتا دیا تھا کہ رطل تمہاری طرف آ رہی ہے
اس کا غور دیکھ کر وہ۔

رشتوں کی اس بے بسی پہ اس کا خون کھول کھول
مکھیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ انسانی جذباتی کی کمزوری
کا شکار ضرور ہوا لیکن پھر رطل کی عزت کا احساس ہر
چیز پر غالب آ گیا۔ بہت جلدی اس نے خود کو سنبھل لیا
اور فاروق گیلانی کو رپورٹ دی کہ رطل یاہر سے ہی
دروازہ بجائے چلی گئی ہے۔ پہلی بار انہوں نے اس پہ
غصہ اور غلغلے کا اظہار کیا تھا۔

اسے پھر وہ تم ابھی تک تم سے ایک لڑکی بھی زیر
تھیں۔ وہی تم کو من سے یہ بات نکال دو کہ وہ مالکوں کی
بھی ہے تمہارا یہی احساس کمتری کا میابی کی راہ میں
رکاوٹ بن چکا ہے بھول جاؤ سب کچھ۔ پھر انہوں
نے رطل کو جوبلی بلوا کر یاہر سے شادی کا ڈرامہ رچایا۔
توقع کے عین مطابق وہ پریشان ہو کر اس کے پاس آئی۔
جب وہ اس کے کمرے تک آئی وہ سب بھائیوں
سمیت وہاں چلے آئے ارادہ تو یہی تھا مہو کی طرح
اسے بھی بکری گر کے مار دیں گے اور بڑے آرام سے
اس کی ساری دولت کے مالک بن جائیں گے سانپ
بھی مر جائے گا اور لائٹ بھی نہیں ٹوٹے گی۔ اور
طاروق نے بھی کیا کام نہیں کیا تھا۔ اپنے کارندوں کو بلوا
لیا تھا۔ وہاں سے بحفاظت وہ رطل کو نکال لے آیا۔
فاروق گیلانی کا سارا منصوبہ اس نے جوٹ کر دیا تھا۔
شہید جوہلی میں اس نے یہی مشہور کیا تھا کہ
گیلاؤں کی بھی اس سے محبت کرنے لگی ہے اور وہ

کی کوشش کر لی تو وہ نکل رہا۔ پھر رطل سے سامنا ہوا۔
وہ ہانے ہانے سے نکلا آ رہا۔

وہ لاہور گئی تو فاروق نے اسے بھی وہیں بھیج دیا۔ پھر
توقع کے عین مطابق فاروق گیلانی نے ایسے حالات
پیدا کر دیے کہ رطل نے اس سے کہہ دیا مجھ سے
نکاح ضروری نکاح کر لو۔
نکاح سے پہلے اس کے ذہن میں رطل کے لیے
کچھ ایسے خاص جذبات نہیں تھے، پر جب اس نے
نکاح کا گمان اس کا دل چاہا سید حالے اسے شدید حویلی لے
جائے اور سب کو کہے کہ آج اس نے بدلہ لے لیا
ہے۔

اس نے یہ ممکن طریقہ سے رطل کو متاثر کرنے
کی کوشش کی پر وہ جانے بس کسی کی بھی کہ طاروق
کی ضرورت نہ وجاہت کا جلاوا اثر انداز ہی نہیں ہو رہا تھا۔
فاروق گیلانی کو وہ رپورٹ بھی دیتا رہتا۔
نتیجہ کچھ ایسے عجیب حوصلہ افزا نہیں تھے اس نے
خود کو رطل کے اندازوں سے بھی برتر کے لالچی ثابت
کیا تھا۔ نکاح کے دوران اس کی مطالبہ سے رطل نے اس
کو رطل کے لیے طاروق کے خلاف اسے
میں رطل کے حوالے سے جو تبدیلی آئی وہ خود اس کے
لیے پریشانی کن تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ خود فاروق گیلانی
کو نکاح کے بارے میں نہ بتا سکے۔ اب رطل کے
بارے میں وہ فاروق گیلانی کو بھوٹ ہی بتاتا۔ ایک گھر
میں رہتے ہوئے وہ ایک بار کے بارے میں بتا دیتے تھے۔
مکان ہی نہیں تھا۔ اور رطل وقتاً فوقتاً اسے یہ باور
کراتا نہ بھولتی کہ ان کا رشتہ عارضی نوعیت کا ہے اور وہ
ایک دوسرے کو حق نہیں رکھتے۔

بس یہیں سے طاروق پہ انکشاف ہوا کہ وہ رطل
سے سچ محبت کرنے لگاتے۔ زمانے کی آلودگیوں اور
جلا کیوں سے نا آشنا وہ سلاو دل سی لڑکی جانے کب اور
گیتے اس کے دل میں جڑ لے لے براہ جان ہو گئی تھی
اور وہ دن بدن اس کے سحر میں مبتلا ہوتا جا رہا تھا۔
اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ رطل کو فاروق گیلانی
کے مذموم ارادوں کا شکار نہیں ہونے دے گا۔ پھر بھی

قدرت کار عملے میں شامل کر لیا۔ اب وہ اس پہ بہت
زیادہ بھروسہ کرنے لگے تھے۔ کچھ ایسے واقعات ہوئے
تھے جس کی وجہ سے ان کا اعتبار مکمل پختہ ہو گیا۔ افتخار
اور عالیہ کی حادثاتی موت کے بعد ان کی نگاہ دونوں کی
جائیداد پر جمی۔ اس کے لیے بے دریغ منصوبہ بندی
ضروری تھی۔ فاروق کا ذہن اس معاملے میں بڑا ذخیرہ
تھا۔ طاروق کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ مکررہ منصوبہ
انہوں نے تیار کیا تھا۔ بالآخر انہوں نے ایک روز اسے
اس میں شریک کر ہی لیا۔

انہوں نے رطل کے بارے میں بتایا کہ وہ لاہور
میں پڑھ رہی ہے اور اس کا آخری تعلیمی سائل ہے۔
میں اس کی تمام جائیداد پر قبضہ چاہتا ہوں۔ میرا
بیمالی شروع سے ہی شہر میں رہا ہے طاقتور اور با اثر
لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات رہے ہیں۔ میرا ارادہ
تو یہی ہے کہ میں یاہر کے ساتھ رطل کی شادی کر دوں
اور آہستہ آہستہ ہر چیز پر قبضہ کر لوں مگر رطل پر بھی
کبھی شہر کی پروردہ سے آسانی سے نہیں مانے گی یہ بات
دور تک پھیل جائے گی اور ہماری بدنامی ہوگی۔ چاہتا
ہوں تم اس میں دلچسپی کا اظہار کرو۔ اس کا موہی ہوا
میں دوں گا تم جو ان ہو خوب صورت ہو کوئی بھی لڑکی
بڑی آسانی سے تم سے متاثر ہو سکتی ہے رطل کو متاثر
کرنا شیشے میں اٹارنا تمہارا کام ہے۔ پھر اسے شادی پر
تیار کرو۔ میں ایسے حالات پیدا کر دوں گا کہ تم جو بھی
اسے شادی کا کہو گے وہ تمہارے ساتھ حویلی سے
بھاگنے کے لیے راضی ہو جائے گی اس وقت تم مجھے بتا
دینا وہیں پہ کاری کر کے اسے مار دیا جائے گا تم بھاگ
جانا میرا آدمی تمہارے پاس آئے گا اور اتنا کچھ تمہیں
دے گا کہ ساری عمر آرام سے بیٹھ کے کھاتے بھی
رہے تو ختم نہیں ہو گا۔
طاروق کے دل و دماغ میں بالکل جی تھی پر چہرے
سے وہی کیفیات اس نے عیاں نہیں ہونے دی تھیں
جس موقع کی تلاش میں وہ تھا۔ وہ خود ہی فاروق نے
فراہم کر دیا تھا۔
اور زمین اس سے آنے بہانے۔ بات کرنے

باقاعدہ منصوبے کے تحت اسے شادی کر کے لائے گا۔
ذکاء الدین آفریدی بہت خوش ہوئے رطل کی پلاننگ
والا قصہ نکال کے ولید طارق نے انہیں سب کچھ بتا دیا
تھا۔

طارق پچھلے رطل سے محبت کرنے لگا تھا۔ مگر وہ بار
بار اسے یہ بتاتا نہ سمجھاتی کہ ان کا رشتہ کوئی منسوب رشتہ
نہیں ہے وہ اسے ایمان اور لالچی سمجھتی تھی۔
وہ تو سوچ رہا تھا دشمنی کی اس خلیج کو پانے کی کوشش
کرے گا۔ رطل کے حوالے سے وہ فاروق گیلانی کا راز
دار تھا اسے پوری امید تھی اس کی کوشش رائیگاں
نہیں جائے گی۔

وہ اپنے تایا کے ارادوں سے لاعلم اسے ہی غلط
ذہنیت کا حامل سمجھ رہی تھی۔ اب بہت ضروری تھا
اسے فاروق گیلانی کے منصوبے کے بارے میں وہ
صاف صاف بتا دیتا، گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی
تھیں ایسے وقت میں وہ حالات کی تبدیلی کے باوجود
علیحدگی کا تقاضا کر رہی تھی اس کی چاہت کو مٹی میں
رول رہی تھی۔ کیا وہ اسے خود سے دور کر سکے گا اس کی
فرمائش پوری کر سکے گا؟ شاید نہیں وہ اتنا باہمت نہیں
تھا اس کے لیے اسے رطل کو سب کچھ بتانا پڑے گا
مگر وہ بچ اور جھوٹ کا فیصلہ تو کر سکے۔

وہ سب فاروق گیلانی کی حویلی میں جمع تھے۔
صلاح کا فیصلہ کرتے ہوئے فاروق گیلانی کے کندھے
جھک گئے تھے۔ شاید وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ
بدل رہا تھا یہاں تک کہ ان کی روایات میں دراڑیں آ
چکی تھیں اگر ولید طارق ان کے گھناؤنے منصوبے
کے بارے میں ذہن کھول دیتا تو ان کی عزت دو کوڑی
کی بھی نہ رہتی وہ پوری برادری کی نگاہ میں گر جاتے
برسوں سے شب ان کے فیصلے پہ آسمان حد قناتے آ
رہے تھے۔ ان کا کہا پھر یہ لکیر دوتا۔ بہتر یہی تھا وہ
آفریدیوں کے ساتھ صلح کر لیں ویسے بھی وہ خود چل
کے آئے تھے۔ اپنے بیٹے کے اقدام کے بارے میں

شرمندہ تھے وہ ان کی بات مان کر اپنی پلاننگ اور کر سکتے
تھے۔ ان کی سات پشتوں پر احسان عظیم کر سکتے تھے
اپنی برادری میں وقار برہا سکتے تھے۔ صلح سے ان کی
طاقت میں اضافہ ہوتا۔ اب تو ان کی اپنی اولاد بھی یہی
کہہ رہی تھی صلح میں ہی عزت ہے۔ فاروق گیلانی
ذکاء الدین آفریدی کے گلے لگے تو فضا گولیوں کی
ترتازاہٹ سے گونج اٹھی۔ جو اس بات کا اظہار بھی کہ
صلح ہو گئی ہے۔

رطل کو بھی پتا چل گیا تھا کہ صلح ہو گئی ہے۔
دوسری خوشی کی خبر زمین کے ریشے کے پار گئی تھی۔
ولید طارق کے تلملکے بیٹے شاہ نواز کے لیے
زمین کا روبرو زلہ چھوٹا گیا تھا۔ منظم بہت خوش ہوا
تھا بس کی آخری خزاں زندگی پہ ہمارا دستک دے رہی
تھی اس نے پلایا جن کو دلا کل دے کر راضی کر لیا۔
اب وہ بہت اچھا ہے زمین کے لیے ہر لحاظ سے بہتر
ویسے بھی اسے خاندان میں تو کوئی کرے گا نہیں
کیونکہ وہ ایک بڑی آگے بڑھ رہی ہے۔ اس کی پلاننگ
نام کے ساتھ مرد کا نام وابستہ ہو جائے پھر وہ اس کی رہی
ہے۔ وہ مریکوں نہ جائے یہ روایت صرف ہماری
عورتوں کے لیے کیوں ہے خاندان میں ویسے بھی میری
بہن کی نحوست پھیل رہی ہو چکی ہے اگر آپ اس کی
شادی کے لیے راضی ہو جائیں گے تو کون کرے گا اس
سے شادی کوئی بھی نہیں۔ اس لیے بہتر تھا ہم اسے بار
دیتے یوں جیتے ہی زندہ لاش تو نہ بنائے اگر رطل کا رشتہ
آفریدی خاندان میں ہو سکتا ہے تو زمین کا کیوں نہیں
شاہ نواز ذاکر سے زمین کا تقریباً ہم عمر۔ میں نہیں
سمجھتا کہ اس میں کوئی برائی ہے اگر اب بھی ہم نہ سمجھے
تو کوئی اور رطل پیدا ہو جائے گی جو پھر کسی ولید طارق
سے بدھائے گی اور دشمنی کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔
ہمارے لیے خوشی کی بات ہونی چاہیے کہ آپ
کے جیتے جی زمین کا کمر بس جائے میری رائے تو یہی
ہے کہ ہاں کر دی جائے۔ منظم کا لہجہ کھرا اور دونوں

تھا۔ منظم کے پڑنے پر
سفید حویلی سے عورتیں اور مرد رسم کرنے آئے
تھے۔ زمین کی تصویر بھی شاہ نواز کو دکھانے کے لیے
دلی گئی۔ وہ ایک محتدل روشن خیال سلیمیا ہوانو جوان
تھا ویسے بھی بات دشمنی ختم کرنے کی تھی اس نے
خوشی و رضا مندی دے دی۔ ولید طارق نے زمین کی
بہت تعریف کی تھی جس سے اس کا اشتیاق دو چند ہو
چکا تھا۔

حویلی میں قیام کے دوران طارق نے یہ بات شدت
سے محسوس کی تھی کہ زمین کسی نجات دہندہ کے
انتظار میں ہے یہ انتظار ایسا ہوتا ہے کہ انسان ہر آنے
والے کو محبوب تصور کرتا ہے ایسا ہی اس کے
سمناہ بھی ہوا وہ اسٹون پھرا دل رکھتی تھی طارق نے
وہ اسے صاف لفظوں میں باور کرا دیا تھا کہ وہ اس کے لیے
نجات دہندہ نہیں بن سکتا۔ شکر ہے کہ وہ سمجھ گئی تھی۔

اب وہ بہت خوش تھا کیونکہ شاہ نواز بہت رطل میں
انسان تھا کوئی بھی لڑائی اس کی رفاقت نہ کر
سکتی تھی۔
اب طارق اور شاہ نواز کی شادی ایک ساتھ ہونا قرار
پائی تھی۔

رطل کل واپس جا رہی تھی اسے اپنے آبائی گھر
سے رخصت ہو کر یہاں آنا تھا۔ لی وی الاون میں وہ
خوش تھی یہ بھی مذاق چل رہا تھا۔ طارق ان کے
آدھ میان ابھی ابھی آیا تھا۔ باہر کا موسم بڑا دلکش اور
خوب صورت ہو رہا تھا۔

رطل صبا کی کسی بات پہ بے ساختہ کھلکھلائی تو
طارق نے بڑے غور سے اسے دیکھا جس پہ اس کی
آنکھیں کو بریک لگ گئیں۔ ہونٹ ہلکے کی طرح جڑے اور
چہرہ شہید کی و خفگی کی تصویر پیش کرنے لگا۔
"ولید بھائی! رطل کل جا رہی ہے" ثانیہ نے
اسے چھیڑا تو وہ تپ سا گیا۔

"میں کیا مردوں روک لوں؟" رطل نے شہوہ مناس
نگاہوں سے اسے دیکھا گویا کہ وہی ہو۔ "تمہیں کوئی
پروا نہیں تم تو بڑی محبت کے دعوے کر رہی تھیں۔"
"اب یہ بندہ دن کے بعد آئیں گی شاہ نواز بھائی کی
دولت کے ساتھ۔" صبا نے بندہ دن پہ زور دیتے
ہوئے کہا تو رطل اٹھ کر باہر آگئی کیونکہ سب اسے
شرارتی نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے ان کا ارادہ یقیناً
اس کا ریکارڈ لگانے کا بھی ہو گا، اس نے دلی دلی
مسکراہٹوں سے بھانپ لیا تھا۔

"آپ دونوں کے بیچ جانے کیا ہے مجھے سمجھ میں
نہیں آتا رطل اکھڑی اکھڑی اور بیزار نظر آتی ہے۔"
صبا نے کچھ اگلا نا چاہا۔
"مجھے تو لگتا ہے ایسا بیویا کی وجہ سے ہے۔" ثانیہ
دور کی کوڑی بلاتی تھی۔
"ارے نہیں وہ صرف میری اچھی دوست ہے۔
میں نے اسے دوست سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا۔" اس
نے جیسے جان چھیڑائی تھی۔

رات کو کھانے کی میز پہ بھی رطل خاموش خاموش
سی تھی خاص طور پہ طارق نے اس کی کیفیت کو واضح
طور پہ محسوس کیا تھا۔ وہ بہت اکھڑی اکھڑی سی لگ
رہی تھی۔ بروں کے فیصلے کے بعد بندہ دن کے وقت
سے طارق اور شاہ نواز کی بارات چلی تھی۔ اس لیے
کل رطل جا رہی تھی۔ اندر سے وہ بھی خوفزدہ تھی
جائے کیا ہو گا؟ مگر سب نے یقین دلایا تھا ناراضیوں
کے باطل چھٹ گئے ہیں۔ کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا
اس کا واضح ثبوت سہیل پتیا اور منظم بھائی کی فون کل
تھی۔ اس کے دل کو بھی حوصلہ ہوا تھا۔

بس یہ ولید طارق کا حالیہ رویہ تھا جس کی وجہ سے وہ
ابھی ہوئی تھی۔ اس نے مدد آ کے کوئی بات نہیں کی
تھی۔ کچھ بھی تو نہیں کہتا تھا وہ یہاں لاکے جیسے اسے
بھول گیا تھا وہ لاشعوری طور پر اس کی توجہ کی غادی ہو
گئی تھی۔

سفید حویلی آنے کے بعد اس نے بابا دل کو ٹولا۔ نکاح سے لے کر اب تک جو واقعات ہوئے تھے اس نے سب کا ایمانداری سے تجزیہ کیا تھا۔ اس نے نکاح کے وقت سوچا تھا کہ وہ ولید طارق کے بارے میں اس طرح سوچے گی اور پھر جیج اس کے سر میں جتا ہوا جائے گی۔ ہاں یہ معجزہ ہو چکا تھا۔

نرین کے زخمتے کے لیے کی جانے والی اس کی کوششیں دھکی چھپی تو نہیں تھیں۔ اس کے رطل کے لیے خصوصی جذبات نظر انداز کرنے کے قابل تو نہیں تھے۔

وہ ابھی ابھی شاور لے کر باتھ روم سے نکلی تھی۔ بال پرش کرنے کے بعد اس نے نیک کھول کے سامنے رکھا کچھ ضروری سامان کی پینٹنگ کرنی تھی۔ الماری کھول کے اس نے نیک کیے ہوئے سوٹ باہر نکالے۔ اتنے میں دروازے دستک ہوئی۔ اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ اس نے اندازہ لگاتے ہوئے دروازہ کھولا۔ سامنے ولید طارق کھڑا تھا۔

رطل کی حیرت بھری نگاہ خود بے نگہ کر اس نے بمشکل اپنی بے ساختہ سکرابٹ کاٹا کھونٹا۔ "تیار ہو رہی ہے جانے کی۔" بڑی خوش لگ رہی ہیں۔ "اس نے رطل کو پیچھاڑا وہ مصروف نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ غریبہ تھی۔ طارق نے اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلک دیکھی۔

جانے اسے کیا ہوا کہ دروازہ کھول کے باہر نکل گئی۔ وہ سبہ ہاتھ پھیر کے رو گیا۔ باہر نکل کے اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس وقت کمرے سے باہر وہ کہاں جا سکتی ہے اس نے اندازہ لگانا چاہا۔

باہر بادش بریں رہی تھی۔ وہ گول ستون کے ساتھ نیک لگائے ایک بک برستی بادش کو دیکھ رہی تھی۔ جانے کیوں۔ بے نام سے دکھ کی ایک لہر اسے بجھو گئی۔ کیا یہ تازگی سی لڑکی ہمیشہ اس کی طرف سے دل

میں تدویرت رہے گی۔ وہ شاید اسے بھی جانی اس کی محبت کا یقین نہیں دلا پائے گا۔ وہ آہستگی سے اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔

"آخر کون سا جرم سرزد ہوا ہے مجھ سے جو یوں آپ نیر ماری ہیں۔" وہ یوں بد کی جیسے کرنت لگا ہو اس کی نگاہوں کی آہستہ آہستہ ولید طارق کے دل کو انوکھے احساس سے دوچار کر گئی۔ اس نے رطل کے ہاتھ کو پکڑا اور بزور طاقات کھینچتا ہوا اپنے بید روم تک لایا۔ رطل نے مزاحمت کی کوشش کی جو حسب سابق کامیاب نہ ہوئی۔

دروازہ لاک تھا۔ وہ مڑ کر دروازہ بند کر کے ڈھونڈنے لگا۔ واپس سڑا تو اس کے ہاتھ میں پتھر کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ اس نے رطل کے آگے پیچھے۔ وہ پہلی نگاہ میں ہی پہچان گئی تھی۔ اس کے سامنے کئے ہوئے چمکے تھے جو اس نے طارق کو ناراضی نکاح کے عوض لے لیا تھا۔ اس نے انہیں کیش نہیں کیا تھا۔

کچھ ہی طرح دیکھ لو۔ اتنی ہی رمل تھی میں۔" وہ تصدیق سے ہاتھ لگا کر اس کی آنکھوں میں پتھر کو دھکی کر کہی۔ "یہ لڑکی اس کے لیے ہے۔ وہ خود کو دل سے دھکی لائی جو ان بنا کر پیش کیا۔" وقتاً فوقتاً میں جو کچھ کہتا رہا وہ اس کے لیے کافی حصہ تھا میرا قصور اتنا سنگین ہے کہ معافی ہی نہیں ملے گی۔ پھر اس نے وہ سب کوشش گزار کر دیا حالانکہ تمہارے چہرے تمام اختصار مجھے سونپ دیتے تھے میں جو چاہوں کرتا تھا۔ تم کو رات کے دو بجے اٹھا کر مجھے جگانے بیجنا اسی کے لیے تھا۔

شکر مجھے تمہاری عزت عزیز تھی۔ کیونکہ تمہارے آیا کے نمک خوار بھی وہیں تھے اس لیے تو ایک رات جب تم بات کرنے میرے کمرے تک آئیں تو میں نے تمہیں ڈانٹ دیا کیونکہ فاروق گیلانی نے برکت سمیت دیگر ملازمین کو بھی گپیہ نظر رکھنے کو کہا تھا۔ اگر میں جذبات کا بار ہو تا تو بہت شرم میں ارہاں پورے کرچکا ہوتا۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں کچھ نہ کچھ کہہ دیتا جو تمہیں ہلک میننگ ملتی تھی۔

بالی بات روٹی علیحدگی کی تو میں ایسا بھی نہیں کروں

کا کیونکہ مجھے تم سے محبت ہے کچی اور گہری۔" اس کا لہجہ صاف اور کھرا تھا۔ "میں دعا کروں گا کہ تم بھی مجھ سے محبت ہو جائے۔"

زندگی میں چند موقع ہی ایسے آئے تھے جب طارق نے اسے "تم" کہہ کر مخاطب کیا تھا اور اسے لڑائی لڑائی لگھا احساس ہوا تھا۔ "اگر تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو خوشی سے پاگل ہو جاتی جو اسے اتنا چاہنے والا ملا ہے۔" رطل اس کے ایک ایک لفظ کو پوری توجہ سے سن رہی تھی۔

جلتے دل پہ جیسے شبنم کی چھوڑ پڑی تھی۔ ایسا واضح تھا کہ وہ اس کے لیے تھی۔ ولید طارق نے کچھ ہی نہیں کیا تھا۔

"آپ سے کس نے کہا تھا میں الگ ہونا چاہتی ہوں۔" وہ بولتے ہوئے دروازے کے پیچھے پھینچ گئی۔ "اتنی دیر سے کیوں کہتا ہے۔" "اسی لیے کہ اس نے میرا آپ نے مجھے تو بھی اپنے جذبات کا ذکر کیا ہے۔" "تمہارے لیے تو میں اس کا احساس رلا رہا تھا۔" "اے ایمان لڑکی! نکاح کے بعد میں جو کچھ کر رہا ہوں۔" "تمہاری تو تھا۔" "تمہارے زیادہ دھکی کر دیا۔" اس نے آہستگی سے ہاتھ چھڑایا۔

اس نے خود کو بے بسی لگایا تھا ہمارا رشتہ عارضی ہے۔ اس لیے میں سب کچھ کھتا رہا کہ شاید تمہارے دل پر اثر ہی ہو جائے۔" اس نے شوخ نگاہوں سے رطل کو دیکھتے ہوئے کہا جو باہر نکل رہی تھی۔ "خیر ایک بار ہاتھ تو لگو۔" "خیر میرے پھر نہ کھنا۔"

رطل نے پلٹ کر اسے دیکھا اور ہاتھ ہلاتی رہا۔ ولید طارق بھی اس کے پیچھے آیا۔

رطل پہلے والی جگہ کھڑی سر مستی کے عالم میں برستی بادش کی چم چم سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"اٹھو بادش اس سے زیادہ اچھی ہوئی۔" "کیوں؟" "اس لیے کہ تم ہمیشہ کے لیے میرے گھر آ جاؤ گی۔" "ایک منٹ میں اور آسو وہی سکرابٹ ولید طارق کے ہونٹوں پہ چمکی۔

برسات کی خوب صورت اور البیلی رات تھی۔ اسے یقین تھا رطل کی ہمراہی میں بہت جلد ایسی بے شمار خوب صورت راتیں آنے والی ہیں۔



UP.COM

Urduho.com